ماہنامہ
جنوری 2026ء
طلوعِ اسلام
لاہور
اشاعت کا بیاسی واں سال

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)
حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



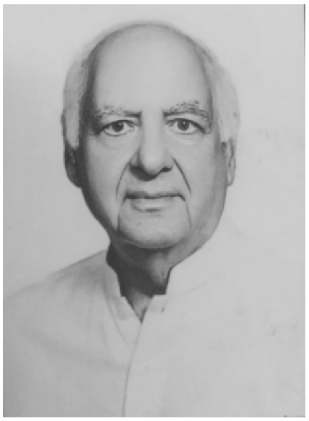
علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

قفس ہے بس میں تمہارے، تمہارے بس میں نہیں
چمن میں آتشِ گل کے نکھار کا موسم!

اس شمارے میں:

- لمعات: ایمان کی ضرورت کیوں؟ 4
- کیا قرآنِ کریم موجودہ مسائل کا کافی حل فراہم کرتا ہے 14
- مژدۂ صبح 16
- الاسماء الحسنیٰ 33
- اسلام کے پانچ اہم ستون 47
- خواتین کا صفحہ: عورت اور قرآن (قسط نمبر:2) 57
- بچوں کا صفحہ: ہم مسلمان کیوں ہیں؟ 61
- مرحلہ وار سلسلہ۔۔۔ پوسٹ نمبر:1 63

''دوقومی قرآنی نظریہ پر اسلامی مملکت کا قیام'' کے عنوان کے مصنف ڈاکٹر انعام الحق 1940ء میں پیدا ہوئے۔



انہوں نے 1960ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن مکمل کر کے بنک ملازمت اختیار کر لی۔ وہاں 34 سال کی سروس مکمل کرنے اور معاشی طور پر خودکفیل ہونے پر ریٹائرمنٹ لے لی۔

مصنف نے ریٹامنٹ کے بعد بھی اپنی علمی صلاحیت میں اضافہ کرنے کو جاری رکھا اور خصوصی طور پر اسلامک سٹڈی میں ایم۔اے، ایم فِل اور پی۔ ایچ۔ڈی کی ڈگری بھی کامیابی سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ مصنف نے عربی زبان، فلاسفی اور قانون کی باقاعدہ ایم اے لیول تک تعلیم حاصل کی اور قانون سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ستر سال کی عمر میں باقاعدہ لاء کالج میں داخلہ بھی لے لیا۔ یہ سب کچھ کرنے کا بنیادی مقصد ان علوم سے اللہ کے کلامِ الٰہی قرآنِ کریم کی مکمل فہم سے آگاہی کا حصول رہا ہے۔ مغرب کے علاوہ خصوصی طور پر اسلامک فکر میں دلچسپی لینے کی وجہ سے پہلے ایم۔فل میں قرآنی معاشی فکر میں ''العفو کی اہمیت'' کے عنوان کا کامیابی سے دفاع کیا۔ بعدازاں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے ریسرچ کا موضوع ''حکمائے مغرب کے نظریہ خیر وشر کا مطالعہ قرآن کی روشنی میں'' لینے کا انتخاب کیا۔ اسی موضوع کو ملحوظِ نگاہ رکھتے ہوئے مصنف کی طرف سے نظریہ خیر اور نظریۂ پاکستان اور قرآن کے موضوعات پر دو تصانیف بھی شائع ہو چکی ہیں۔ ان تصنیفات کے علاوہ بیس سال کے دوران متعدد فلاسفی اور اسلامک سٹڈی کے خصوصی موضوع پر مقالات بھی مختلف رسالہ جات میں شائع ہونے کا سلسلہ ابھی تک جاری رکھا ہوا ہے۔ ٹی وی پر بھی مباحثوں میں حصہ لیتے رہے اور ایک دو بار مشہور دینی مفکرین محترم جاوید احمد غامدی اور مفتی منیب احمد صاحب کے ساتھ دینی فکری مباحث کے پروگرامز میں شرکت کرنے کی دعوت پر شمولیت اختیار کی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کی اب تک کی 28 سالہ زندگی کا بیشتر حصہ مصنف اپنے گھر میں قائم لائبریری میں تعلیمی اور تبلیغی امور میں مصروف رہ کر گزار رہے ہیں۔ اس ضمن میں وہ اپنے متعدد احباب کے سوالات کا تسلسل سے جواب دینے میں بھی دستیاب رہتے ہیں۔ اس علمی اور تبلیغی امور میں اپنے آپ کو ہمہ وقت مصروف رہنے کی سعادت کے حصول کو وہ اللہ کا فضل قرار دیتے ہیں۔ ان امور میں ہمہ تن دستیاب رہنے کی وجہ سے بعدازاں ریٹائرمنٹ کوئی بھی آمدنی لانے والی سروس کی پیشکش اُن کی قبولیت حاصل کرنے کے لئے باعثِ کشش نہ بن سکی۔

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
جنوری 2026ء

جلد 79 شمارہ نمبر 01

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: ایمان کی ضرورت کیوں؟	ادارہ	4
کیا قرآنِ کریم موجودہ مسائل کا کافی حل فراہم کرتا ہے؟	خورشید انور، سوات	14
مژدۂ صبح	علامہ پرویز علیہ الرحمۃ	16
الاسماء الحسنیٰ	شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ، لاہور	33
اسلام کے پانچ اہم ستون	محمد انوار خان، اسلام آباد	47
خواتین کا صفحہ: عورت اور قرآن (قسط نمبر:2)	جمیلہ خاتون پالوی، بھارت	57
بچوں کا صفحہ: ہم مسلمان کیوں ہیں؟	عارف کسانہ	61
مرحلہ وار سلسلہ۔۔۔ پوسٹ نمبر:1	انجینئر سلیم اقبال	63

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 100 روپے فی پرچہ
پاکستان: 1200 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1500 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
Cell: +92 318 2221851
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672
For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ایمان کی ضرورت کیوں؟

اکثر پوچھا جاتا ہے کہ انسان کے لئے ایمان کی ضرورت کیوں ہے؟ سوال بڑا اہم ہے اور گہری فکر اور توجہ کا محتاج۔

ڈارون، اپنی عمر بھر کی تحقیق کے بعد، زندگی کے متعلق ایک نتیجہ پر پہنچا۔ جسے نظریۂ ارتقاء (Theory of Evolution) کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ کی تفصیل طول طویل ہے اور بعد کی تحقیقات نے اس کی بعض جزئیات کو غلط بھی ثابت کر دیا ہے۔ لیکن اس کا مرکزی تصور ابھی تک درست تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ مرکزی تصور وہ ہے جسے ہربرٹ اسپنسر نے بقائے اصلح (Survival of the fittest) کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ اس تصور کی رو سے یہ مانا جاتا ہے کہ کشمکش حیات میں وہی نوع باقی رہی جس نے اپنے اندر اس قدر قوت پیدا کر لی کہ ماحول کی تخریبی قوتیں اسے پامال نہ کر سکیں۔ اس تصور کے ماتحت، نظریہ یہ وضع اور تسلیم، کیا گیا کہ زندہ وہی رہ سکتا ہے جو سب سے زیادہ قوت حاصل کر لے، جو دوسروں کے مقابلہ میں کمزور ہو جائے، اسے زندہ رہنے کا حق نہیں رہتا۔ اس لئے زیادہ قوت رکھنے والے اسے ہڑپ کر سکتے ہیں۔ ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل لیتی ہے۔ چڑیا، کیڑوں مکوڑوں کو نوچ لیتی ہے اور عقاب، چڑیا کو دبوچ لیتا ہے۔ بلی، چوہے کو کھا جاتی ہے۔ کتا، بلی کو جھپٹ لیتا ہے۔ بھیڑیا، کتے کا گلا پکڑ لیتا ہے اور عندالضرورت، شیر، بھیڑیئے (اور جنگل کے ہر جانور) کا خون پی لیتا ہے۔ اسے ''جنگل کا قانون'' کہا جاتا ہے اور جنگل میں ایسا کرنے کو نہ معیوب سمجھا جاتا ہے، نہ مذموم۔ اس قانون کی رو سے اسے تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ کمزور کا وجود ہی اس لئے ہے کہ وہ طاقتور کو زندہ رکھنے کا ذریعہ بنے۔ کمزور اس وقت تک زندہ رہ سکتا ہے جب تک طاقت ور کو اس کی ضرورت نہ پڑے۔ جس وقت طاقت ور ضرورت محسوس کرے، وہ کمزور کو ہڑپ کر سکتا ہے۔ نظام فطرت میں یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ یہی کچھ ہو رہا ہے، یہی ہوتا رہے گا۔ نہ بھیڑوں کی ہزار آرزوئیں شیر کو خوئے درندگی سے عاری کر سکتی ہیں، نہ بکریوں کے لاکھ ریزولیوشن بھیڑیوں کی تیزی دنداں کو کند کر سکتے ہیں۔

نظام فطرت کے اسی مشاہدہ و مطالعہ کے بعد، یہ علمائے سائنس، ''بقائے اصلح'' کے نظریہ تک پہنچے۔ اور اسے ایک مسلمہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس نظریہ کی بنیاد اس نظام فطرت پر تھی جس کا تعلق حیوانی دنیا سے ہے۔ (یعنی اس دنیا سے جس میں زندگی انسانی سطح تک نہیں پہنچی) حیوانی دنیا میں فطرت کے طبعی قوانین (Physical Law) کارفرما ہیں ان قوانین میں دیکھا یہ جاتا ہے کہ ''ہو کیا رہا ہے'' (What is) ان میں ''کیا ہونا چاہئے''۔ (What ougth to be) کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا۔

(جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) یہ قوانین تھے حیوانی زندگی سے متعلق۔ لیکن نوع انسان کی بدقسمتی کہ یورپ نے یہ سمجھ لیا کہ یہی قوانین، خود انسانی زندگی پر بھی منطبق (Apply) ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے انسانی زندگی کو بھی سلسلہ ارتقاء (Chain of evolution) کی ایک کڑی قرار دیا۔ اس لئے یہ سمجھ لیا گیا کہ بنیادی طور پر انسان، دیگر حیوانات سے الگ نہیں۔ اس میں اور دیگر حیوانات میں اتنا ہی فرق ہے جتنا فرق حیوانات کی مختلف انواع (Species) میں ہے۔ جس طرح بنیادی طور پر وہ تمام انواع، حیوان ہی ہیں اور یکساں طور پر طبعی قوانین کے تابع، اسی طرح انسان بھی ایک حیوان ہے اس لئے فطرت کے جو قوانین، حیوانات پر لاگو ہوتے ہیں، انہی کے تابع انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ اس منطق کی رو سے یورپ اس نتیجہ پر پہنچا کہ بقائے اصلح (Survival of the fittest) کا جو قانون حیوانی زندگی پر صادق آتا ہے، وہی قانون انسانی زندگی میں کارفرما ہونا چاہئے۔ یعنی یہ قانون کہ زندہ رہنے کا حق اسی کو ہے جو زیادہ سے زیادہ طبعی قوت فراہم کر لے۔ کمزور کو صرف اس وقت تک زندہ رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے جب تک طاقتور کو اس کی جان کی ضرورت نہ پڑے۔ جس وقت طاقت ور کی ضرورت یا مصلحت کا تقاضا ہو، وہ کمزور کو اپنا لقمہ بنا سکتا ہے۔ ایسا کرنا نہ معیوب ہے نہ مذموم۔ اس لئے کمزور کو اس کے خلاف آواز اٹھانے کا کوئی حق نہیں۔ اگر وہ آواز اٹھائے بھی تو اسے وہ چیخ سمجھنا چاہئے جو مرغی کے حلق سے اس وقت (بے اختیار) نکلتی ہے جب اسے بلی دبوچ لے جاتی ہے۔ اگر بلی، اس کی اس چیخ سے متاثر ہو کر اسے چھوڑ دیتی ہے، تو یہ اس کی حماقت ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بھوکوں مرے گی۔ اگر وہ مرغی کہیں مرافعہ (اپیل) بھی کرے تو بلیوں کی کوئی عدالت اس کے حق میں فیصلہ نہیں دے گی۔

یورپ نے ''جنگل کے اس قانون'' کو، ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر تسلیم کر کے، انسانی دنیا میں نافذ کر دیا۔ حیوانوں کی دنیا میں یہ صورت تھی کہ وہ مختلف انواع میں بٹے ہوئے تھے، جن میں ایک نوع دوسری نوع سے زیادہ طاقتور تھی۔ اور طاقتور نوع، کمزور نوع کو کھاتی تھی۔ اس میں (بجز شاذ حالات کے) ایک نوع کے افراد، آپس میں ایک دوسرے کو کھانے نہیں لگ جاتے تھے۔ بلیاں چوہوں کو تو کھاتی تھیں، لیکن چوہے ایک دوسرے کو نہیں کھاتے تھے۔ انسان سب ایک نوع سے متعلق تھے، اس لئے ''جنگل کے قانون'' کے مطابق بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا کہ اس ایک نوع کے افراد، ایک دوسرے کو کھانے لگ جاتے۔ اس دقت کو رفع کرنے کے لئے، یورپ نے، نوع انسانی کو مختلف اقوام میں تقسیم کر دیا اور ہر قوم کو ایک جداگانہ نوع تصور کر لیا گیا۔ اس کے بعد صورت یہ ہوگئی کہ جس قوم نے زیادہ قوت فراہم کر لی، اسے حق حاصل ہو گیا کہ وہ اپنے سے کمزور قوموں کو ہڑپ کر جائے۔ اس طرح ''جنگل کے قانون'' کا انسانی دنیا میں عام چلن ہو گیا۔ اس وقت یہی قانون ساری دنیا میں رائج ہے۔ (خود ایک قوم کے اندر بھی، مختلف طبقات نے کس طرح اس قانون کو اپنا رکھا ہے اور اسکی رو سے، صاحب قوت و اقتدار طبقہ، کمزوروں کو دبوچ لینا کس طرح اپنا حق سمجھتا ہے، ہم سردست اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے اس

وقت.....ہم اپنے موضوع کو اقوام تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔) بہرحال' یہ ہے اس وقت دنیا کا نقشہ' اسے اگر ایک فقرہ میں سمٹانا چاہیں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ

اس وقت جنگل کے قانون پر ساری دنیا کا ایمان ہے

اس سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا' کہ ''ایمان'' کسے کہتے ہیں۔

اس نظریہ زندگی اور قانون حیات' کے خلاف ایک اور نظریۂ زندگی ہے۔ اس نظریۂ زندگی کے اصول یہ ہیں کہ:

(1) زندگی بے شک ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی پیکر انسان تک پہنچی ہے لیکن انسانی منزل میں پہنچ کر' اس میں ایک ایسی خصوصیت پیدا ہوگئی ہے جو اس کی سابقہ کڑیوں میں نہیں تھی۔ اسے آپ (محض سمجھنے کی غرض سے) ''انسانیت کی زندگی'' سے تعبیر کیجئے۔ (ویسے' اس خصوصیت کبریٰ کو انسانی ذات کہا جاتا ہے)

(2) انسان کی جسمانی زندگی تو حیوانات کی طرح طبعی قوانین کے تابع ہے لیکن اس کی ''انسانیت کی زندگی'' پر وہ قوانین منطبق نہیں ہوتے۔ اس کے لئے ایک اور ضابطۂ قوانین ہے۔ اسے مستقل اقدار (Permanent Values) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حیوانات میں اقدار (Values) کا تصور نہیں ہوتا۔ وہ صرف طبعی تقاضوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اقدار کا تصور انسانی زندگی کی خصوصیت ہے۔

(3) حیوانی زندگی' طبعی قوانین کے تابع چلنے کے لئے مجبور ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں ''کیا ہونا چاہئے'' (What ought to be) کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن انسانی زندگی میں اختیار و ارادہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی انسانی زندگی کو جس قسم کے قوانین کے تابع رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔ یعنی یہ چاہے تو انسانی زندگی کو ''جنگل کے قانون'' کے تابع رکھ لے اور چاہے تو اسے مستقل اقدار کے تابع لے آئے۔

(4) ان مستقل اقدار کی رو سے' تمام انسان ایک نوع کے افراد ہیں اس لئے انہیں نہ اقوام میں تقسیم کرنے سے جداگانہ انواع قرار دیا جاسکتا ہے' اور نہ ہی ایک قوم کے اندر' مختلف طبقات کی ناقابلِ عبور حدیں (Water-Tight compartments) کھڑی کی جاسکتی ہیں

(5) حیوانی زندگی میں' قانون حیات' بقائے اصلح ہے۔۔ یعنی زندہ رہنے کا حق اسی کو ہے جو سب سے زیادہ طاقتور ہے لیکن مستقل اقدار کی رو سے قانون حیات و نظریہ بقا یہ ہے کہ۔

وَاَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ ؕ (13:17)

باقی وہی رہ سکتا ہے جو نوع انسان کے لئے زیادہ سے زیادہ منفعت بخش ہو۔

یعنی اس میں قانون حیات ''بقائے انفع'' ہے۔۔ جو فرد یا جماعت نوع انسانی کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش کام کرے' اسے بقا نصیب ہوسکتی ہے۔

(6) مستقل اقدار کی رو سے' نوع انسان' ایک کارواں کی طرح مصروف سفر رہتا ہے۔ اس کارواں میں اگر کوئی راہرو' کسی وجہ سے تھک کر پیچھے رہ جائے' تو دیگر افراد کارواں کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے سواری کا انتظام کریں تا کہ وہ درماندہ راہرو' دیگر افراد کارواں کے دوش بدوش' سفر کرنے کے قابل ہو جائے۔ اگر کوئی درندہ اس درماندہ راہرو کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر حملہ کرے' تو پورے کا پورا کارواں اس کی مدافعت وحفاظت کے لئے سینہ سپر ہو جاتا ہے۔

اس میں افراد کارواں کی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان کے ذمے مختلف فرائض عائد کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اس تقسیم کار سے' ایک کو دوسرے پر غلبہ وتسلط کا حق حاصل نہیں ہو جاتا۔ یہ تقسیم عمل' کارواں کے حسن نظم کے لئے ہوتی ہے۔ اور بس

(7) (جیسا کہ کہا جا چکا ہے) مستقل اقدار کی رو سے' قوت' صرف کمزوروں کی حفاظت کے لئے استعمال کی جاتی ہے' کسی کو کمزور کرنے اور پھر اس کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے (Exploitation) کے لئے استعمال نہیں کی جاتی۔

(8) اس نظریہ زندگی کی رو سے' مقصد حیات یہ ہے کہ انسان فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے..... پوری انسانیت کی زندگی کو بلند سے بلند تر کرتا جائے۔ جس طرح پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے اس میں کہیں نشیب و فراز اور ناہمواریاں نہیں ہوتیں' اسی طرح جب انسانیت کی زندگی کا معیار بلند ہوتا ہے تو اس میں پوری انسانیت کی سطح ہموار ہوتی ہے۔

(9) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ جذبۂ محرکہ کیا ہے جس سے انسان' زیادہ سے زیادہ محنت کر کے' دوسروں کی کمی کو پورا کر کے انہیں اپنی سطح پر لانے کی کوشش کرے۔

مستقل اقدار کی رو سے' اصول یہ ہے کہ جس قدر کوئی انسان' دوسروں کے لئے نفع بخشیوں کا سامان بہم پہنچائے' اس سے اسی قدر اس کی انسانی زندگی سنور جاتی اور اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی طبعی زندگی کے بعد' زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کر سکے۔ اپنے مستقبل کو سنوارنے کا خیال وہ جذبۂ محرکہ ہے جس سے انسان' دوسروں کی خاطر زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ جسے بظاہر ''دوسروں کی خاطر'' کچھ کرنا سمجھا جاتا ہے' وہ درحقیقت خود اپنے لئے ہوتا ہے۔

یہ ہے دوسرا نظریۂ زندگی یا قانون حیات جسے قرآن کریم پیش کرتا ہے۔ اس نظریۂ کو مسلمہ حقیقت سمجھنا' ایمان کہلاتا ہے۔

قرآن' جنگل کے قانون والے نظریہ زندگی کو کفر سے تعبیر کرتا ہے اور اپنے پیش کردہ نظریہ کو اسلام کہہ کر پکارتا ہے۔ اس نے کفر اور حیوانی سطح زندگی کو مرادف قرار دیا ہے۔ سورۂ محمدؐ میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (47:12)

جو لوگ کفر کرتے ہیں وہ حیوانات کی طرح کھاتے پیتے اور سامان زندگی سے متمتع ہوتے ہیں۔

چونکہ قرآن کریم اس نظریۂ زندگی کو غلط قرار دیتا ہے اس لئے اسے صحیح ماننے والوں کے متعلق وہ کہتا ہے کہ ''وہ باطل پر ایمان'' رکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ (29:52)

جولوگ اس باطل نظریۂ حیات پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کے عطا کردہ صحیح نظریہ زندگی سے انکار کرتے ہیں، وہ آخرالامر سخت نقصان اٹھائیں گے۔

یوں تو ایمان بالباطل شروع ہی سے انسان کے ساتھ چلا آ رہا ہے، لیکن پہلے اس کی حیثیت انفرادی سی ہوتی تھی، مغرب نے، طبعی کائنات میں کارفرما جنگل کے قانون کو انسانی زندگی پر منطبق کر کے، اسے عالمگیر پوزیشن دے دی۔ جسے تہذیب مغرب کہا جاتا ہے، وہ اسی ایمان بالباطل ۔۔ یعنی جنگل کے قانون کو نظریۂ حیات سمجھنے کا دوسرا نام ہے۔ مغرب نے اسے سائنس کا ایک عظیم انکشاف قرار دے کر بطور فلسفۂ حیات اختیار کیا۔ اسی کو مادی نظریۂ حیات یا (Materialistic concept of life) کہا جاتا ہے۔۔ اور چونکہ بدقسمتی سے اقوام مغرب دنیا میں اقوام غالب کی حیثیت سے پھیل گئیں اس لئے ان کا یہ فلسفۂ زندگی یا ایمان بالباطل تمام اقوام عالم میں پھیل گیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ اب یہ قانون ساری دنیا کا عام چلن ہو گیا ہے۔ یوں تو اقوام یورپ نے اس قانون کو نظریۂ ارتقا ہی کی روشنی میں اپنایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت اور یہودیت کے غلط عقائد نے جو فضا پیدا کر دی تھی۔ وہ اس نظریہ کے لئے بڑی سازگار تھی۔ عیسائیوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ نجات کا مدار انسانی اعمال پر نہیں بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کفارہ کے ایمان پر ہی، یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت، بنی اسرائیل کی نسل کے لئے مخصوص ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ان عقائد کی رو سے، انسانی اعمال کی اہمیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور یہودیوں کے گھر میں پیدا ہو جانے، یا حضرت مسیح علیہ السلام کے کفارہ پر ایمان لے آنے کے بعد، انسان کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے کہ وہ جس قسم کے چاہے کام کرے، اس سے کوئی باز پرس ہی نہیں ہو گی۔ انہی عقائد کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ عیسائیوں نے مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا۔ (اس زمانے میں یہودیوں کی سلطنت کہیں نہیں تھی، اس لئے یہ ثنویت عملاً عیسائی مملکتوں میں رائج ہوئی)۔ اس سے، اقوام مغرب میں انسانی تمدن کا نقشہ یوں مرتب ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کفارہ پر ایمان ایک پرائیویٹ عقیدہ کی حیثیت لئے ہوئے، اور امور سیاست میں کھلی چھٹی کہ جس طرح جی چاہے کریں۔۔۔ عیسائیت نے یورپ میں یہ فضا پیدا کر دی۔ اس پر نظریۂ ارتقاء نے ''جنگل کے قانون'' کو بطور نظام فطرت پیش کر دیا۔ لہٰذا، یہی قانون وہاں کی زندگی کا عام چلن ہو گیا۔

اس ''ایمان بالباطل'' نے دنیا کو کس طرح جہنم بنا رکھا ہے، اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ہم سب اس جہنم کے اندر ہیں اس لئے اس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ساری دنیا ایک وسیع و عریض جنگل بن چکی ہے۔ جس میں بعض قوموں نے (کسی نہ کسی طرح قوت فراہم کر کے) شیروں کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ ان سے دوسرے درجے پر بعض قومیں بھیڑیوں کی سطح پر ہیں اور باقی تمام اقوام عالم، بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ان کے رحم و کرم پر

زندگی کے دن پورے کر رہی ہیں۔ ان شیروں اور بھیڑیوں کا جب جی چاہے کسی بھیڑ یا بکری کو دبوچ لیتے ہیں۔ وہ بے چاری ممیاتی ہوئی دم توڑ دیتی ہے اور باقی ڈری اور سہمی ہوئی جھاڑیوں میں دبک کر بیٹھ جاتی اور اپنی باری کا انتظار کرتی رہتی ہیں۔ ''جنگل کے ان بادشاہوں'' سے کوئی پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ تاریخ کے اوراق' طاقت ور قوموں کی طرف سے اس قسم کی ہمہ گیر سبعیت و بربریت اور دوسری طرف کمزور قوموں کی اس حد تک بے بسی اور بے کسی کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ سڑک پر دو آدمی آپس میں لڑ پڑیں تو راہ گذر انہیں چھڑا دیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پولیس کا سپاہی انہیں گرفتار کر لیتا' اور عدالت' زیادتی کرنے والے کو سزا دے دیتی ہے۔ لیکن یہاں کیفیت یہ ہے کہ ایک درندہ صفت ملک' لاکھوں بے گناہ انسانوں کو ذبح کئے جا رہا ہے اور کسی میں ہمت نہیں پڑتی کہ مظلوم کی فریاد کو پہنچے۔ ادھر اسی امریکہ کو اور برطانیہ کو عربوں کا گلا دبانے کی ضرورت پڑی تو فلسطین کی لاکھوں پر امن آبادی کو دھکیل کر باہر کر دیا اور وہاں جدید اسرائیلی حکومت قائم کر دی۔ اس کے بعد اس نومولود کو اس قدر طاقتور بنا دیا گیا کہ وہ اب اس ''جنگل کا بادشاہ'' بن رہا ہے۔ اس کے خلاف نہ صرف یہ کہ کسی کو انگلی نہیں اٹھانے دی جاتی بلکہ نام نہاد فریاد گاہ (یو۔این۔او) میں زبانیں گنگ کر دی جاتی ہیں کہ کوئی اس خنجر بدست لاڈلے کے خلاف لب کشائی تک بھی نہ کر سکے۔ اگر وہاں کوئی ریزولیوشن پاس بھی ہو جاتا ہے تو یہ اس کاغذ کے پرزے کو مسل کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہے اور وہ سب قومیں جنہوں نے یہ ریزولیوشن پاس کیا تھا اس کا منہ تکتی رہ جاتی ہیں۔ یہ ہے اس ''جنگل کے قانون'' پر ایمان کا نتیجہ! ان اقوام نے اپنی کہنہ روایات میں ہمدردی بنی نوع انسان جیسے جو الفاظ سن رکھے تھے' ان کا مظاہرہ اس طرح ہوتا ہے کہ جب بھیڑیا' بھیڑوں کے گلے پر حملہ کر رہا ہوتا ہے تو ریڈ کراس کا ایمبولینس دور کھڑا محو تماشا ہوتا ہے۔ جب وہ ایک بھیڑ کو اٹھا کر لے جاتا ہے تو یہ ایمبولینس' ہمدردیٔ نوع انسان کے جذبے سے سرشار' آگے بڑھتا ہے تاکہ جو زخمی بھیڑیں زمیں پر تڑپ اور سسک رہی ہیں' ان کے حلق میں پانی ٹپکائے۔ یہ ایمبولینس انہیں بھیڑیوں کا مہیا کردہ ہوتا ہے جو ان بھیڑوں کے خون پر پلتے ہیں' دنیا ان کے اس جذبۂ ہمدردی کو سراہتی اور ان کی شان میں مدح وستائش کے قصیدے پڑھتی ہے۔ قرآن کریم نے یہودیوں کے جرائم کی جو فہرست پیش کی ہے' اس میں ان کے ایک جرم کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ۔۔ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ ۔۔ تم وہ لوگ ہو کہ خود اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو اور ان میں سے بعض کو ان کے گھر بار سے نکال باہر کرتے ہو۔ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ تم میں سے ایک گروہ یہ کچھ کرتا ہے اور دوسرے لوگ اس ظالم اور مستبد گروہ کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں۔۔ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ۔۔ جب ان مظلوموں کو جنہیں تم نے ان کے گھروں سے نکال باہر کیا تھا' دوسرے لوگ قیدی بنا کر لے جاتے ہیں' تو تم چندے اکٹھے کرتے ہو تاکہ ان قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں قید سے آزاد کرایا جائے۔ اس طرح تم اپنے آپ کو فریب دے لیتے ہو کہ ہم بڑا ثواب کا کام کر رہے ہیں۔ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ (2:85)۔ حالانکہ تم نے جو انہیں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا تھا' تو وہ تمہارے لئے کیسے

جائز تھا!

بعینہٖ اسی قسم کے ''ثواب کے کام'' موجودہ دور کے قزاق اور رہزن کرتے ہیں۔ پہلے لاکھوں فلسطینی عربوں کو ان کے گھر بار سے نکال کر ویرانوں میں دھکیل دیا اور اس کے بعد ان ''پناہ گزینوں'' کی امداد کے لئے خیراتی فنڈ کھول کر دنیا سے داد لی جاتی ہے کہ دیکھو! ہمارا سینہ مظلوموں اور غریبوں کے درد سے کس قدر لبریز ہے۔

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو!
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

لیکن ''جنگل کے قانون'' کے اس قسم کے مظاہرے دیگر اقوام کے ہاں جا کر ہی نہیں ہوتے' ان بالادست اقوام کے خود اپنے گھر بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ جب ایمان یہ ٹھہرا کہ انسان ایک حیوان ہے اور ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' قانون حیات۔ تو پھر دلوں میں کسی ایسے آئین اور ضابطہ کا احترام کیسے پیدا ہوسکتا ہے جو افراد معاشرہ کے حیوانی جذبات کی بے محابا تسکین کی راہ میں حائل ہو۔ اس کا نتیجہ ہے کہ خود اقوام مغرب میں جرائم کی تعداد اس قدر ہوشربا تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ یہ اتنی بڑی بڑی قوتوں کی حامل قومیں' اس سیلاب بے پناہ کی روک تھام سے عاجز آ چکی ہیں۔ ہمارے ایک بالغ نظر دوست حال ہی میں امریکہ گئے ہیں۔ وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

یہاں قوم کی حالت عجیب ہے۔ سب لوگ عجب انتشار کا شکار ہیں۔ جرائم کی رفتار سن کر آپ دنگ رہ جائیں گے۔۔ یعنی تیس لاکھ۔۔ ہر گھنٹہ کے بعد قتل۔ اکیس منٹ کے بعد ڈکیتی۔ چار منٹ کے بعد زنا بالجبر (زنا بالرضا کا تو حساب وشمار ہی نہیں)۔ ہر دس سیکنڈ کے بعد نقب زنی۔ اور ہر سیکنڈ کے بعد چوری۔ اس سال چالیس ہزار افراد حادثات کا شکار ہوئے۔۔۔ اور کیا لکھوں؟

یہ امریکہ کی حالت ہے۔ برطانیہ میں جنسی بدنہادی اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہاں لواطت کو قانوناً جائز قرار دیا گیا ہے۔ (حالانکہ وہاں عورتوں کی تعداد اب بھی مردوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے) اور اس کے لئے وجۂ جواز یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ وبا اتنی عام ہوچکی ہے کہ اس کی روک تھام حکومت کے بس کی بات نہیں رہی۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ اسے قانوناً جائز قرار دے کر' اس فعل شنیع کے مرتکبین کو کم از کم اس نفسیاتی الجھن سے بچا لیا جائے جو اس کے قانوناً ناجائز ہونے کی وجہ سے ان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

یہ ہیں حیوانی سطح زندگی پر ایمان کے نتائج وعواقب' اجتماعی اور انفرادی زندگی میں۔ انفرادی زندگی کی یہ مثالیں ہم نے ضمناً پیش کر دی ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر بالخصوص' اس ایمان کے وہ عواقب ہیں جو انسانوں کی بین الاقوامی زندگی کو محیط ہو رہے ہیں۔ یعنی ہر جگہ جنگل کا قانون کارفرما ہے اور حالت اب یہ ہوچکی ہے کہ ؎

اس سیل سبک سیر وز میں گیر کے آگے
عقل ونظر وعلم و ہنر ہیں خس و خاشاک

اقبال ہی کے دوسرے الفاظ میں ؎

تہذیب کا کمال، شرافت کا ہے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر گرگ کو ہے برۂ معصوم کی تلاش

☆☆☆

''جنگل کے قانون'' پر ایمان کے نتائج وعواقب ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔ اس کے برعکس، ''مستقل اقدار'' پر ایمان کیا نتائج مرتب کرتا ہے، ہمیں افسوس ہے کہ عصر حاضر سے ہم اس کی عملی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔۔ اس لئے کہ اس وقت دنیا میں کوئی خطۂ زمین بھی ایسا نہیں جس میں ان اقدار پر عمل ہو رہا ہو۔۔ اقوام مغرب کا تو ان اقدار پر ایمان ہی نہیں، لیکن جو قوم (یعنی مسلمان) ان پر ایمان رکھنے کی مدعی ہے، اس کا بھی درحقیقت ان پر ایمان نہیں۔۔ ایمان کی پرکھ اعمال سے ہوتی ہے۔ ایمان، انسان کے دلی فیصلہ کا نام ہے۔ جس کی نمود اس کے مطابق عمل (کام کرنے) سے ہوتی ہے۔۔ لیکن یہ اقدار کیا نتائج مرتب کر سکتی ہیں، اس کا اندازہ ان اقدار پر غور وتدبر سے لگایا جا سکتا ہے۔ کسی قوم کا اس حقیقت پر ایمان کہ میری قوت کمزوروں کی حفاظت کے لئے ہے، کس قسم کے نتائج پیدا کر سکتا ہے، اسے سمجھنے کے لئے کسی افلاطون کے دماغ کی ضرورت نہیں۔ اس وقت جنگل کے قانون پر ایمان نے دنیا میں کیفیت یہ پیدا کر رکھی ہے کہ کمزور قومیں تو ڈری اور سہمی ہوئی ہیں ہی، خود طاقتور قومیں بھی ایک دوسرے کی طرف سے بے خطر اور مامون نہیں۔ کہتے ہیں کہ جب برف عام پڑ جائے تو بھیڑیئے کسی غار میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کھانے کو کہیں سے کچھ ملتا نہیں تو وہ بیٹھے ایک دوسرے کو تاکتے رہتے ہیں جونہی کسی کو اونگھ آئی، باقی بھیڑیوں نے اسے دبوچ لیا۔ اس وقت دنیا کی طاقتور اقوام کی بعینہٖ یہی حالت ہو چکی ہے۔ ہر قوم کو دوسری قوم کی طرف سے خطرہ ہے اس لئے کسی کو کسی پر اعتماد نہیں۔ چونکہ ان سب کا ایمان جنگل کے قانون پر ہے، اس لئے ہر قوم اسی میں اپنی عافیت سمجھتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ قوت فراہم کرے۔ اس لئے یہ اقوام، حصول قوت کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی فکر اور کوشش میں پاگل ہو رہی ہیں۔ لیکن اس دوڑ میں اب ہر قوم تھک چکی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ یہ قومیں تیسری عالمگیر جنگ کے تصور سے گھبراتی ہیں۔ ورنہ جس قسم کے واقعات پہلی اور دوسری عالمگیر جنگوں کے لئے بہانہ بن گئے تھے، ان سے کہیں زیادہ شدید واقعات اب آئے دن ظہور میں آتے رہتے ہیں لیکن عالمگیر جنگ نہیں چھڑتی۔

اقبالؒ نے پہلی جنگ عظیم کے بعد، اقوام مغرب سے کہا تھا کہ ؎

وقت آنست کہ آئینِ دِگر تازہ کُنیم
لوحِ دل پاک بشوئیم وزسر تازہ کُنیم

''آئین دگر'' سے اس کی مراد یہ تھی کہ ''جنگل کے قانون'' کی جگہ مستقل اقدار انسانیت کو آئینِ حیات قرار دیا جائے۔ اس وقت اس کی کسی نے نہ سنی اور اقوام مغرب اپنی وحشت سامانیوں میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئیں۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اب وقت زیادہ مساعد ہے۔۔ کمزور قومیں بہت زیادہ سہمی ہوئی ہیں اور طاقتور قومیں' باہمی عدم اعتماد کے ہاتھوں تنگ آ چکی ہیں۔۔ اگر اس وقت دنیا کی کوئی قوم بھی اپنے نظام کو مستقل اقدار پر متشکل کر لے' تو مردم گزیدہ انسان اس کی طرف لپک کر آئے گا۔ اقبال کو کسی ایسی ہی قوم کی تلاش تھی جسے وہ اس طرح دیوانہ وار پکار پکار کر آوازیں دے رہا تھا کہ

اے بندۂ مومن! تو کجائی؟ تو کجائی؟

جب وہ بندۂ مومن کو یوں پکار پکار کر تھک گیا تو پاکستان کا تصور اس کے افق قلب سے ابھرا۔ اس نے 1923ء میں لکھا تھا کہ:

> اقوام عالم کا باطنی اضطراب جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہم محض اس لئے نہیں لگا سکتے کہ خود اس اضطراب سے متاثر ہیں۔ ایک بہت بڑے روحانی اور تمدنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا اور اب تہذیب وتمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے۔
>
> (دیباچہ پیامِ مشرق)

اس نے پاکستان کی ''نئی دنیا'' کا تصور' اسی ''نئے آدم'' کی نمود کے لئے دیا تھا لیکن افسوس کہ ہم بھی اقوام مغرب کی نقالی میں' انہی فرسودہ راہوں پر چل نکلے اور اتنا نہ سمجھا کہ ''جنگل کے قانون'' کے مطابق' ہم ان قوموں کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے جو طبعی قوت میں ہم سے کہیں آگے نکل چکی ہیں۔ لہٰذا' ہمارے لئے چارۂ کار یہ تھا کہ ہم اپنے ہاں' اس بربریت کے قانون کی جگہ' انسانیت ساز اقدار کو فروغ دیتے اور پھر دیکھتے کہ دنیا کی کوئی قوت بھی' ان کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ قرآن نے جب کہا تھا کہ: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ (61:9) مستقل اقدار پر مبنی نظام حیات' دنیا کے تمام دیگر نظامہائے زندگی پر غالب آ سکتا ہے تو اس نے یونہی شاعری نہیں کی تھی۔ جب اس نے اعلان کیا تھا کہ: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (3:139) اگر تم جنگل کے قانون پر ایمان کی جگہ' انسانی اقدار کی صداقت پر ایمان لے آئے' تو تم ساری دنیا پر غالب آ جاؤ گے' تو اس نے (معاذ اللہ) دروغ مصلحت آمیز سے کام نہیں لیا تھا۔ جب اس نے کہا تھا کہ: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ (4:141) غلط نظریہ زندگی پر ایمان رکھنے والے' ان لوگوں پر کبھی غالب نہیں آ سکتے جو صحیح قانون حیات پر ایمان رکھیں' تو اس نے (معاذ اللہ) اس قوم کو جھوٹی ''ہلاشیری'' نہیں دی تھی۔ اس نے اس حقیقت کو بیان کیا تھا کہ حیوان کتنی ہی عظیم قوت کا مالک کیوں نہ ہو جائے' ''انسانی قوت'' کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور ظاہر ہے کہ دنیائے تہذیب وتمدن میں' ''انسانی قوت'' سے مراد ان

اقدار کی قوت ہے جن سے انسانیت تشکیل پذیر ہوتی ہے۔ ہم نے اس قوت کو کبھی آزمایا نہیں اس لئے ہم اس کی عظمت واہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔۔ اور آزمایا اس لئے نہیں کہ ہمیں اس پر ایمان نہیں۔۔ ایمان تو ایک طرف رہا' جنگل کے قانون کی وجہ سے' ہمارے ہاں بھی عظمت واہمیت کے معیار اس قدر بدل چکے ہیں کہ ہم شاید ''احترام آدمیت'' کا مفہوم تک سمجھنے کے بھی قابل نہیں رہے۔ لیکن اس کے باوجود' ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں کوئی خطۂ زمین ان اقدار کی تجربہ گاہ بننے کے قابل ہوسکتا ہے تو وہ پاکستان ہی ہے۔۔ ہماری فضاؤں میں سرسید' اقبال' جناح کے تصورات ابھی تک جگمگا رہے ہیں۔ یہاں جس انداز سے قرآنی فکر عام ہو رہا ہے دنیا میں کسی اور جگہ اس کی مثال نہیں ملتی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم نے اس مملکت کو حاصل ہی اس مقصد کے لئے کیا تھا۔

لیکن اگر ان تمام دلائل و براہین کے باوجود (بدنصیبی سے) ہمیں اس حقیقت پر یقین نہیں آ سکتا' کہ ان اقدار پر عمل کرنے سے ہمیں سرفرازی وسربلندی نصیب ہوسکتی ہے' تو برسبیل تنزل' اسے آزمائشاً اختیار کر کے ہی دیکھ لیا جائے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں' یہ حقیقت ہے کہ جنگل کے قانون کے مطابق' ہم طبعی قوت میں اقوام غالب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم ایک متبادل طریق علاج کے طور پر' ان اقدار پر عمل کر کے دیکھ لیں۔ اگر (بفرض محال) یہ طریق' مطلوبہ نتائج پیدا نہ کر سکا تو اس سے ہمارا نقصان بہرحال کچھ نہیں ہوگا۔ یہ اقدار' طبعی قوت کے حصول' استحکام اور بقاء کے راستے میں حائل نہیں ہوتیں یہ اسے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی تاکید کرتی ہیں۔ (فرق صرف اس کے محل استعمال میں ہوتا ہے) لہٰذا' انہیں آزمائشی طور پر اختیار کرنے سے بھی ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس کے برعکس' اگر یہ کامیاب ثابت ہوگئیں (اور ان کے کامیاب ہونے میں کلام ہی کیا ہے) تو یہ ہمیں اس مقام پر پہنچا دیں گی جو اس وقت ہمارے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آ سکتا اور اس کے ساتھ ہی یہ عالمگیر انسانیت کو بھی اس جہنم سے نجات دینے کا موجب بن جائیں گی جس میں وہ اس وقت گرفتار ہے اور جس سے نکلنے کی اسے کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ یاد رکھئے! جب تک ہم اپنے موجودہ (Pattern) کو نہیں بدلتے' ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ معاشی دنیا میں ہم' اپنے موجودہ معاشی نظام کی رو سے' سرمایہ دار قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہمیشہ ان کا دست نگر رہنا پڑے گا اور عمرانی دنیا میں ہم ''جنگل کے قانون'' کی بنا پر بالادست اقوام مغرب کو چھو تک نہیں سکتے۔ ہم زندہ اور پائندہ رہ سکتے ہیں تو صرف اپنے نظام کی تبدیلی سے اور یہ تبدیلی مستقل اقدار خداوندی کی بنیادوں پر ہی عمل میں آ سکتی ہے۔ اس تبدیلی سے جو محیر العقول قوت حاصل ہوتی ہے اسے سمجھانے کے لئے ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح' شیر اور ہاتھی کی بے پناہ قوت' ایک انسانی بچے کی ذہنی فراست کا مقابلہ نہیں کر سکتی' اسی طرح جنگل کے قانون پر ایمان رکھنے والی قوموں کی مجموعی طاقت بھی اس نظام کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو انسانیت ساز اقدار پر متشکل ہوا ہو۔

یقین پیدا کر اے غافل! کہ مغلوبِ گماں تو ہے

خورشید انور، سوات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کیا قرآنِ کریم موجودہ مسائل کا کافی حل فراہم کرتا ہے؟

دنیا آج جس غیر یقینی کیفیت، معاشرتی ابتری، لاقانونیت، اخلاقی زوال اور معاشی ناہمواری سے دوچار ہے، اس میں سب سے زیادہ قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ انسان ہر طرف حل تلاش کرتا ہے، مگر اس واحد نظام کی طرف توجہ کم ہوگئی ہے جو خالقِ انسانیت نے خود انسان کے لیے نازل فرمایا، یعنی قرآنِ کریم۔ قرآن نہ صرف ایک مقدس کتاب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ضابطۂ حیات ہے، جس میں انفرادی و اجتماعی زندگی کے بنیادی اصول، اخلاقی بنیادیں، معاشرتی نظم اور انسانی ترقی کے قوانین پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔

قرآن خود اعلان کرتا ہے:

اَوَلَمۡ یَکۡفِہِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ (سورۃ العنکبوت:51)

یعنی کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر وہ کتاب نازل کی جو ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے؟ اس اعلان سے واضح ہوتا ہے کہ ربِ کائنات انسانوں کو متوجہ کر رہا ہے کہ ان کی زندگی کے حقیقی مسائل کا حل اسی کتاب میں ہے۔ قرآن محض نصیحت نہیں بلکہ رحمت اور ذکر ہے؛ یعنی وہ نظام جو انسان کو محفوظ بھی رکھتا ہے اور مطلوبہ نتائج بھی عطا کرتا ہے۔

قرآن نے متعدد مقامات پر یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اللہ اپنے دین پر قائم رہنے والوں کے لیے کافی ہے:

۞ اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَہۡزِءِیۡنَ ﴿۹۵﴾ (سورۃ الحجر:95)

۞ فَسَیَکۡفِیۡکَہُمُ اللّٰہُ ۚ (سورۃ البقرہ:137)

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ؕ (سورۃ الزمر:36)

ان آیات میں ''کفیٰ'' کے اندر دو پہلو جمع ہیں: حفاظت بھی اور کامیابی بھی۔ یعنی قرآنی نظام پر عمل صرف روحانی تسکین نہیں دیتا بلکہ اجتماعی زندگی میں تخریب سے بچاتا بھی ہے، انسان کو خوف سے نکالتا ہے اور اسے نتیجہ خیز قوت بھی عطا کرتا ہے۔

قرآن نے کتاب (قانون) اور حکمت (قانون کی غایت و مقصد) دونوں کو وحی کا حصہ قرار دیا ہے۔ یہ ایک نہایت بنیادی حقیقت ہے کہ قرآن احکام دیتا ہے تو ساتھ ہی ان احکام کا نتیجہ بھی بیان کرتا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ اس قانون پر صحیح عمل ہو

رہا ہے یا صرف رسم ادا کی جارہی ہے۔ اگر قرآن کے احکام ہماری معاشرتی زندگی میں وہ نتائج پیدا نہیں کر رہے جن کا وعدہ کیا گیا ہے تو یہ ہماری کوتاہی کا ثبوت ہے، نہ کہ قرآن کے ناکافی ہونے کا۔

اسی طرح قرآن کو رحمت، ذکر، شہادت اور رشد کہا گیا ہے، کیونکہ یہ انسان کے ہر دور، ہر حالت اور ہر ضرورت کے مطابق نشوونما کا ذریعہ بنتا ہے۔ ربّ العالمین کی صفت رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ انسانیت کو ایسا ضابطہ عطا کیا جائے جو ہر زمانے میں اس کی رہنمائی کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن زندگی کے ہر شعبے، معاشرت، معیشت، سیاست، اخلاق، عدل، اور امن میں اصول فراہم کرتا ہے اور انسان کو نتائج کا علم دے کر اسے فیصلہ سازی میں بصیرت عطا کرتا ہے۔

قرآن وہ عظیم کتاب ہے جو خدا نے رسولِ اکرم ﷺ پر لفظ بہ لفظ نازل کی اور جسے خدائی حفاظت نے ہمیشہ کے لیے غیر متبدّل بنا دیا۔ واضح اور فصیح عربی میں نازل ہونے والی یہ کتاب اپنے مطالب کی تشریح کے لیے کسی بیرونی سہارے کی محتاج نہیں۔

اس میں زندگی کے بعض قطعی احکام اور ہر دور کے لیے رہنما ابدی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اصول ہمیشہ برقرار رہیں گے، تاہم ان کی روشنی میں انسان اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق قوانین مرتب کر سکتا ہے۔

نزولِ قرآن کے ساتھ نبوت کا سلسلہ مکمل ہو چکا ہے، اس لیے قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی خدا کی طرف سے کوئی نیا علم نازل ہو سکتا ہے۔

جو ریاست قرآن کو اپنا دستور بنائے وہ اسلامی مملکت کہلاتی ہے، اور اس کی بنیاد پر قائم ہونے والا نظام ہی اسلامی نظام ہے۔ جس میں کسی غیر قرآنی نظریے کا پیوند ہرگز نہیں لگایا جا سکتا۔

یوں قرآن مسلمانوں کا واحد، دائمی اور اٹل ضابطۂ حیات ہے جس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔

پس، یہی سوال کہ ''کیا قرآن کافی ہے؟'' حقیقت میں قرآن سے نہیں، ہماری اپنی غفلت سے متعلق ہے۔ قرآن تبھی کارآمد ہوتا ہے جب اسے دستورِ حیات بنایا جائے، محض تلاوت اور رسم کا درجہ نہ دیا جائے۔ جب قرآن کا قانون، اس کی حکمت اور اس کے بیان کردہ نتائج کو رہ نما بنا لیا جائے تو پھر انسانیت کو وہی سچا اطمینان، امن، عدل اور ترقی حاصل ہوتی ہے جس کا ظہور رسولِ اکرم ﷺ اور ان کے رفقا کے دور میں ہوا تھا۔

بانیانِ پاکستان کا تصور بھی یہی تھا کہ اس سرزمین پر ایک ایسا نظام قائم ہو جہاں حاکمیت صرف اللہ کی ہو اور دستور قرآن ہو۔ اگر آج ہم اپنے اجتماعی مسائل کا حقیقی حل چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ قرآن کو پھر اسی حیثیت سے اپنایا جائے۔ بطور آئینِ مملکت، بطور نظامِ عدل و معیشت، اور بطور معیارِ اخلاق۔

کیونکہ موجودہ بحرانوں کا حل قرآن سے باہر کہیں نہیں، قرآن کے اندر ہے۔

وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

❁❁❁❁❁

علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مژدۂ صبح[1]

طلوع اسلام کی پانچویں سالانہ کنونشن منعقدہ لاہور

7 تا 9 اپریل۔۔۔1961ء

(روئیداد ماخوذ از طلوع اسلام، مئی، جون 1961ء)

ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار

حرفِ آغاز:

گردشِ لیل ونہار کا طویل وشدید انتظار بالآخر ختم ہوا۔ چھ (6) اپریل کی صبحِ بہار ننھی منھی سفید بدلیوں کے ہجوم میں، اپنے رُخِ کیف بار سے نقاب اُلٹ رہی ہے۔ لالۂ وگل کی رعنائیاں جشنِ مسرت کے جھولے جھول رہی ہیں۔ فصلِ بہار کی ان شادابیوں میں کنونشن ہاؤس (شالامار ٹاؤن) کی عنبریں فضاؤں میں جانے پہچانے کاروانِ شوق کے خیر مقدم کا خمار چھایا ہوا ہے۔ کس قدر سُہانے ہیں فصلِ بہار کے یہ شام وسحر!

عروسِ صبح نے لی ہے مچل کے انگڑائی صبا کی نرمیٔ رفتار ہے نشاط انگیز!

ہاں! صبحِ چمن کی اِن جان نوازیوں میں کنوینشن کمیٹی کے ایثار پیشہ رضا کار، ایک عالم آرا مستقبل کی حسین امنگیں اور دل کُشا ارمان سینوں میں لئے کنونشن کے وسیع انتظامات کی حسن کارانہ تکمیل میں سرگرمِ کار ہیں۔ اور نور ونکہت کی اِن سرمستیوں میں جھومتے ہوئے سبزہ زاروں کی بے زبانی، زبانِ حال سے گنگنا رہی ہے ؎

چمن میں یہ کون آ رہا ہے تمام موسم بدل رہا ہے

موسمِ بہار کا آفتاب، سہانی بدلیوں سے آنکھ مچولی کھیلتا آہستہ آہستہ نصف النہار کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور اس کی دھیمی دھیمی رفتار کے ساتھ کنونشن ہاؤس کے مختلف گوشوں میں ترتیب وتزئین کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ کیمپ کمانڈر اپنے رضا کاروں کی رفاقت سے ہر گوشۂ تعمیر میں امکان کی آخری حد تک شایانِ شان حسن وزیبائی کا نکھار پیدا کئے جا رہے ہیں۔

---

[1] مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

خلوص وایثار اور حسنِ اخلاق کے یہ بلند کردار پیکر قرآنی تحریک کے اس مختصر سے نشیمن کی تعمیر میں اس لازوال یقین واعتماد سے منہمک ہیں کہ یہ چھوٹی سی بستی ایک دن پورے انسانی نظام کو اپنی آغوش میں لے لیگی۔ یقیناً وہ مبارک ومسعود دن آئے گا جب اس فضا میں پروان چڑھتی ہوئی نظریات وتصورات کی منظم کوششیں نوعِ انسانی کے لئے نشانِ منزل قرار پا جائیں گی۔

ہمصفیرانِ چمن کی آمد آمد:

ایک طرف تعمیر وتزئین کا یہ سلسلہ جاری ہے، اور دوسری طرف سالہا سال سے مانوس احباب، دور دراز فاصلوں سے اس مرکز امید کا رخ کئے آرہے ہیں۔ شالامار کی شمیمِ جانفزا انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے یہ پیام سنا رہی ہے کہ

آبِ کوثر سے آنکھ کو دھو لو میکدہ پھر قریب آیا ہے!

اور واقعی یہیں سے میکدہ کے نشان سامنے نظر آنے لگتے ہیں۔ کتنے ہی حسین تصورات ان کے ذہن میں یہاں پہنچ کر جگمگا اُٹھتے ہیں۔ یہی خم کدۂ فکرِ قرآنی ہے جہاں بادہ نوشوں کی مجلسیں از سرِ نو آراستہ ہوں گی۔ جہاں پیرِ مغاں کی بارگاہِ جذب ومستی سے نئے جام وسبو گردش میں آئیں گے۔ فکر وبصیرت کے کاشانوں میں سرور انگیز کیف برسے گا۔ زندگی کے آبگینے نئے ولولہ ہائے شوق سے لبریز ہوں گے۔ نگاہ عشق ومستی نئے شاہد مقصود سے مالا مال ہوگی۔ عزائم کو ایک نئی دعوتِ انقلاب ملے گی اور ولولہ ہائے شوق کے نصیب پھر جاگ اٹھیں گے۔

قرآنی تصورات کے یہ طائرانِ پیش رس اپنے سالانہ معمول کی وابستگی سے اب اس فضا کو اپنے لئے مانوس ہی نہیں پاتے بلکہ اقبالؒ کے ہنگامہ خیز لاہور کا یہ دور دراز اور پُرسکون گوشہ، اب ان کی آرزوؤں کا گہوارہ اور قلب ونگاہ کی شادابیوں کا مرکز ومحور قرار پا چکا ہے۔ کنونشن ہاؤس کے ایک ایک ذرہ کی تابانی اور ایک ایک پھول کی مسکراہٹ میں انہیں مستقبل کے فکری ونظری انقلاب کی وہ بساط بچھتی نظر آرہی ہے جس پر فلسفہ وحکمت کے بہارستان رشک کریں گے اور جس کے لہلہاتے ہوئے سرو وسمن اس جنتِ ارضی کے آئینہ دار قرار پائیں گے، جو قرآن کے زندہ وپائندہ تصورات کی اساس پر انسانی زندگی میں قائم ہوتی ہے۔

یہ طائرانِ پیش رس، سالہائے گذشتہ کی طرح اس فضا میں وارد ہو رہے ہیں، اور ان کی خلوص بھری ہم آغوشیوں، میل ملاپ، سلام وپیام اور ربطِ باہمی سے ایک بار پھر وہ مسرت انگیز محفل آراستہ ہو رہی ہے جسے دیکھ دیکھ کر طلوع اسلام کی تحریک کے میرِ کارواں کا شبابِ رفتہ واپس لوٹ آتا ہے۔

کنونشن کی شبِ اول

افقِ مغرب میں غائب ہوتے ہوئے چھ (6) اپریل کا آفتاب کنونشن ہاؤس کی فضا کو ہنگاموں اور قہقہوں سے بھرپور پا رہا تھا۔ مہمانوں اور نمائندوں کی بہت بڑی تعداد اس وقت تک کیمپ میں داخل ہو چکی تھی، اور میرِ کارواں کے انتظار میں سب کی نگاہیں بار بار باب عالی کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ غروبِ آفتاب کے تھوڑی دیر بعد جبکہ آسمان پر ستاروں کی چشمکیں شروع ہو چکی تھیں، وہ پنڈال میں داخل ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہی منتشر ولولے چاروں طرف سے سمٹ کر صحنِ چمن میں مرکوز ہو

گئے۔ آناً فاناً دفترِ استقبالیہ کے سامنے شائقینِ دید کا ایک جھمگٹا سا نظر آنے لگا۔ پرویزؔ صاحب سب سے باری باری بغلگیر ہو رہے ہیں ___ ستاروں نے اپنے ماہتاب کے گرد ہالہ سا بنا رکھا تھا ___ یہ وہی تھے جنہیں ایک سال قبل پرویزؔ صاحب نے اشک آلود نگاہوں اور تھرتھراتی ہوئی آواز میں اس شدتِ آرزو کی بیتابیوں میں رخصت کیا تھا کہ

ہزار بار برو صد ہزار بار بیا!

اور شمعِ قرآنی کے یہ پروانے آج پھر اس خضرِ راہ کو اپنے درمیان پا رہے تھے جس نے انہیں مدتوں کی گم گشتہ منزلوں کا سراغ دیا۔ وہ مسیحائے ملت آج پھر انہیں گلے لگا رہا تھا، جس کی قرآنی فکر و بصیرت اور مسیحا نفسی انہیں حیاتِ نو کے جذب و مستی سے سرشار کر گئی۔ ان سب کے دلوں کی عقیدت بھری دھڑکنیں برملا کہہ رہی تھیں:

زندگی آپ کی نوازش ہے ورنہ ہم لوگ مر گئے ہوتے

پرویزؔ صاحب نے بالآخر سب سے رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ کا رُخ کیا۔ لیکن اس یادگار تقریب پر دلِ بیقرار کو قرار کہاں! ساز و سامان کو ترتیب دے کر وہ بے تابانہ پھر باہر نکل آئے اور مہمان کیمپ کی طرف چل پڑے۔ وہ کیمپ جہاں احباب اب جدا جدا ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر قلب و نظر کی گہرائیوں سے وابستہ، زندگی کی مقدس ترین یادوں کو تازہ کر رہے تھے۔ اپنے محبوب خضرِ راہ کو سامنے پا کر سب کی نگاہیں وارفتہ واران کی راہ میں بچھ گئیں۔ مخصوص مسکراہٹ پرویزؔ صاحب کے چہرے پر کھیل رہی تھی۔ جب انہوں نے کیمپ میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور پھر چند دیہاتی نمائندوں کی ایک ٹولی کے قریب پہنچ کر ذرا رکے اور بیٹھ گئے۔ چند ہی لمحوں میں قرآنی فکر کی جوئے خموش حرکت میں آ گئی اور اس کی موجیں ایک نغمۂ نو بہار کی دلکشی اختیار کر گئیں۔ ہمصفیرانِ چمن کا ایک خاموش اور طویل سلسلہ اب مفکرِ قرآن کے گرد پھیل چکا تھا اور ان کے قلب و نگاہ ان ضوفشانیوں سے منور ہو رہے تھے۔

کنونشن کی شبِ اول کی یہ نشاط انگیز محفلیں سکوتِ نیم شبی میں بھی جاری رہیں۔ سال بھر کی جدائی کے بعد قرآنی احباب کا اس طرح پھر جمع ہونا کس قدر وجہِ نشاط تھا، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ رات گئے کچھ احباب طویل سفر کی تکان کے باعث اگر سو گئے تو نور کے تڑکے بیدار ہو کر وہ پھر بزم آرائی کا سامان کرنے لگے۔ اور اذانِ سحر کی کیفیت یہ تھی کہ:

صبح کا تارا پوچھ رہا تھا کب تک دورِ جام رہے گا

پہلا اجلاس:

احباب کی زندگی کی یہ شبِ یادگار آہستہ آہستہ اختتام پذیر ہوئی۔ 7 اپریل کا آفتاب طلوع ہوا اور ناشتہ کے بعد 9 بجے صبح کنونشن کا پہلا اجلاس شروع ہوا۔ اور نغمۂ اقبالؔ سے سحر انگیزیوں کے بعد احباب کے تعارفِ باہمی کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ سلسلۂ تعارف دو گھنٹوں سے زیادہ عرصہ جاری رہا۔ احباب کی زندگی اور اس کے پس منظر کی نقاب کشائی ہوتی چلی گئی۔ انفرادی تعارف کی یہ مختلف کڑیاں، دراصل ایک اجتماعی داستانِ حیات کا سلسلۂ مربوط بنتی ہیں۔ قرآنی منزلِ مقصود کے

مسافروں کی یہ آپ بیتیاں ایک کاروانِ بہار کی تاریخ قرار پائیں گی، اور گلہائے چمن کی یہ کہانی حقیقت میں ایک بہارستان کی تفصیل شمار ہوگی۔

پھولوں نے گلستاں سے تعارف کرا دیا لفظوں نے داستاں سے تعارف کرا دیا

❁❁❁❁

پرویزؔ صاحب کا استقبالیہ:

حسب سابق، استقبالیہ اور ناظم ادارہ کی رپورٹ کے بعد میرِ کارواں کے استقبالیہ خطاب کی باری تھی۔ پرویزؔ صاحب مائیک پر آئے۔ اس دفعہ ان کے استقبالیہ کا عنوان تھا:

مژدۂ صبح

دریں تیرہ شبانم دادند شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

احباب کے استقبال کے ساتھ ساتھ یہ استقبالیہ مشتمل ہوتا ہے ان اہم واقعات پر جو قرآنی تحریک کی ارتقائی رفتار کے سلسلہ میں دورانِ سال میں وجود پذیر ہوتے ہیں۔ اور ان ممکناتِ زندگی پر جو قرآنی تصورات کو محسوس و مشہود پیکروں میں ابھارا ابھار کر منظرِ عام پر لئے چلے آ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے واضح کیا کہ زرعی اصلاحات کے نفاذ اور زمینداری نظام کے خاتمہ کے بعد تین ایسی لعنتیں باقی تھیں جو (اقبالؒ کے الفاظ میں) وجہِ مرگِ انسانیت ہیں ___ یعنی سلطانی وملائی وپیری --اور اب عسکری نظام نے مختصر سی مدت میں ان لعنتوں کی ''مقدس گرفت'' کو بڑی حد تک ڈھیلا کر دیا ہے۔

پرویزؔ صاحب نے عائلی ضوابط کے آرڈیننس کے نفاذ پر والہانہ مسرت کا اظہار کیا اور واضح کیا کہ یہ مبارک قدم مذہب وسیاست کی اس ثنویت کے لئے پیامِ موت ہے، جو دورِ ملوکیت میں پیدا ہوئی، اور اس نے صدیوں تک امت بیچاری کو استبداد کے دوہرے شکنجوں میں کسے رکھا۔ اسی عظیم واقعہ کی بنا پر انہوں نے ۳/ مارچ کو تاریخ اسلام کے ایک ''یادگار نوروز'' کے الفاظ سے یاد کیا۔

مفکرِ قرآن نے انتہائی مؤثر الفاظ میں اس حقیقت کو پیش کیا کہ زمانے کے تقاضوں نے مجبور کر دیا ہے کہ دنیا بھر کے آستانوں سے ٹھکرایا ہوا انسان، پھر سے خدا کے دروازے پر دستک دے۔ مفاد پرستیوں کی کوئی قوت اب زمانے کے سیلِ رواں کے سامنے روک بن کر نہیں ٹھہر سکتی۔ اس صحنِ عالم کی ہر شاخ جوشِ نمو سے بیتاب ہے۔ پوری فضا قرآن کی آواز سے معمور ہو رہی ہے۔ وہی آواز جو کچھ عرصہ قبل جرمِ عظیم سمجھی جاتی تھی، اب حکومت کے ایوانوں اور عدالت کے کاشانوں تک سے فردوسِ گوش بن رہی ہے۔ (پرویزؔ صاحب کا یہ استقبالیہ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیے!)

❁❁❁❁

مژدۂ صبح

بادہ نوشانِ خمکدۂ حجاز کے نام!

بیا تا گُل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم فلک را سقف بشگافیم و طرحِ دیگر اندازیم

یارانِ میکدہ! سلام و رحمت!

ماہِ رمضان جشنِ نزول قرآن کی طرح انگیزیوں کی نوید جانفزا لے کر آتا ہے، تو اس کے ساتھ ہی پیمانہ برادرانِ خمستانِ فرقانی کی آمد آمد کا خیال دامنِ نگاہ کو صحنِ صد گلستان و کف ہزار گلفروش بنا دیتا ہے۔ آپ احباب سے ملاقات کی آرزوئیں سمٹ کر کاشانۂ چشم میں مرکوز ہو جاتی ہیں۔ اور ہر آن یہ محسوس ہوتا ہے کہ

پھر نظر میں پھول مہکے، دل میں پھر شمعیں جلیں! پھر تصور نے لیا اُس بزم میں جانے کا نام

اس تصور سے آپ کی یاد، افقِ قلب سے اُبھرتی چلی آتی ہے اور میں ہمہ تن آغوش، آپ کے استقبال کے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے، ہجوم کیف و مستی میں یہ پیغامِ تہنیت بار آپ تک پہنچاتا ہوں کہ:

بہ صحنِ گلشنِ ما صورتِ بہار بیا کشادہ دیدہ و گل بہر انتظار بیا

آپ کنونشن میں شرکت کے لئے سامانِ سفر تازہ کرنے لگتے ہیں تو یہاں۔

ایک اِک کر کے ہوئے جاتے ہیں روشن تارے میری منزل کی طرف اُن کے قدم آتے ہیں!

اور جہانِ شوق کا ایک ایک ذرہ پکار اُٹھتا ہے کہ

رقصِ مے تیز کرو، ساز کی لے تیز کرو سوئے میخانہ سفیرانِ حرم آتے ہیں

اور جب آپ مل جاتے ہیں تو میری داستانِ حیات میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے اور جن مقدس آرزوؤں اور حسین تمناؤں کو لے کر آپ یہاں جمع ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں اور بار آور و ثمر بار ہوں۔

عزیزانِ من! پاکستان میں عسکری انقلاب اکتوبر 1958ء میں آیا تھا۔ اس کے بعد جب ہم نے اپریل 1959ء کی کنونشن میں اسی مقام پر جمع ہوئے تو میں نے اپنے خطاب میں جس کا عنوان ''پیامِ فصلِ بہار'' تھا، کہا تھا۔

''سطح بین نگاہوں کے نزدیک یہ انقلاب شاید بساطِ سیاست کی مہرہ بازیوں کا نتیجہ ہو، لیکن جن کی نظریں، سطح سے نیچے اُتر کر گہرائی تک پہنچتی ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے کائناتی قوتوں کا ہاتھ کارفرما تھا۔ یہی وہ قوتیں ہیں جنہیں عام الفاظ میں، زمانے کے تقاضے کہا جاتا ہے۔ زمانے کے تقاضے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ

پرانی سیاست گری خوار ہے زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے
گیا دورِ سرمایہ داری گیا! تماشا دکھا کر مداری گیا!

باقی دنیا تو زمانے کی اس پُکار کو دل کے کانوں سے سن رہی تھی، لیکن ہماری حالت یہ تھی کہ ہم اپنے کانوں پر مفاد پرستیوں کے لحاف لپیٹ کر سوئے رہنا چاہتے تھے۔ اگر کچھ وقت تک اور ہمارا یہی حال رہتا، تو کم از کم مجھے تو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے کمیونزم کا سیلاب اپنی تلاطم خیزیوں کے ساتھ امنڈ کر آ جائے گا اور ہمارے تمام نظریاتِ زندگی اور تصوراتِ حیات کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔ غنیمت ہے کہ اس طوفانِ بلا انگیزی کی آمد سے پہلے ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے ایسی تبدیلی پیدا کر لی جس سے سرمایہ داری کی پروردہ سیاست کی بساط اُلٹ گئی۔ اس انقلاب کا پہلا مظاہرہ زرعی اصلاحات کی شکل میں سامنے آیا ہے۔''

علامہ اقبالؒ نے زمینداری کو اُن لعنتوں میں شمار کیا تھا جو جسدِ انسانیت پر کابُوس بن کر مسلط ہیں۔ ان کے الفاظ میں:

سرگزشتِ آدم اندر شرق و غرب بہرخا کے فتنہ ہائے حرب و ضرب

اور زمیندار سے کہا تھا کہ:

دہ خُدایا ! نکتہ از من پذیر رزق وگور از وے بگیر او رامگیر

اس لئے کہ

حق زمیں را جُز متاعِ مانگفت ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت

عسکری انقلاب کے تیشے کی پہلی ضرب، اسی آکاس بیل پر پڑی جو شجرِ انسانیت کو بُری طرح خشک کئے جا رہی تھی۔ اگرچہ اس کی ابھی تک جڑ نہیں کٹی، لیکن اس کی شاخ تراشی بڑی حد تک ہو گئی ہے۔

تین اور بلائیں:

اقبالؒ نے زمینداری کے بعد تین اور بلاؤں کا ذکر کیا ہے، جو وجہء مرگِ انسانیت ہیں۔ وہ مسلمان سے خطاب کر کے کہتے ہیں:

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری اے کشتۂ سلطانی وملائی وپیری

زرعی اصلاحات کے بعد عسکری حکومت نے اوقاف کو اپنی تحویل میں لے کر ''پیری'' کی ''مقدس گرفت'' کو، جو روحِ انسانیت کو اپنے شکنجوں میں کسے رکھتی ہے، بڑی حد تک ڈھیلا کر دیا۔ اور خلقِ خدا کو قدرے آسانی سے سانس آنے لگا۔ جہاں تک ''سلطانی'' کا تعلق ہے، دیگر ممالک میں عسکری انقلاب کا نتیجہ آہنی ڈکٹیٹرشپ کی شکل میں نمودار ہوا۔ یہی خطرہ یہاں بھی تھا لیکن حکومت نے جمہوری طرزِ حکومت کے اعلانات اور آئینی کمیشن کے تقرر سے اس خطرہ کے امکانات کا ازالہ کر دیا۔ اب رہی ملائیت، سو اس کی گرہیں اس قدر مضبوط چلی آ رہی ہیں کہ انہیں کھولنے کے لئے تیز تر ناخنِ تدبیر کی ضرورت تھی۔

ملائیت کا شکنجہ:

چودہ سو سال کا عرصہ ہوا جب حضور خاتم النبین (ﷺ) نے قرآنی قوانین کو دنیا میں نافذ فرمایا۔ اس سے انسانیت کو کس قدر سرفرازیاں اور سربلندیاں نصیب ہوئیں اس پر اُس دور ہمایونی کی صحیح تاریخ کے درخشندہ اوراق شاہد ہیں۔ یہ سلسلہ حضورؐ کے بعد بھی کچھ عرصہ تک قائم رہا۔ لیکن اس کے بعد (ہماری بدبختی کہ) یہ گاڑی دوسری پٹڑی پر جا پڑی۔ اور خدا کے قوانین کی جگہ پھر انسانوں کے خود ساختہ قوانین نے لے لی۔ (یہ کس طرح سے ہوا) اس کی تفصیل میں جانے کا یہ مقام نہیں۔ آپ احباب کو علم ہے کہ اسے میں نے اپنے مقالات ''اسلام آگے کیوں نہ چلا'' میں شرح وبسط سے بیان کیا تھا۔ (جو اَب ''سلیم کے نام خطوط'' میں شائع ہو چکا ہے) اس غیر خدائی قانون کے اشہب عناں تاب کی باگیں ملوکیت اور ملائیت کے ہاتھ میں تھیں۔ ملوکیت نے ملکی قوانین سنبھال لئے، اور شخصی قوانین، مذہبی پیشوائیت کے سپرد کر دیئے گئے۔ یوں ''برہمن اور کھشتری'' کی پرانی گٹھ جوڑ اُس امت کے اندر بھی نمودار ہوگئی جو اس ثنویت کو مٹانے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ یہ دونوں، زمام اختیارات ہاتھ میں لئے، ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے، اور مظلوم ومقہور انسانیت ''جگن ناتھ جی'' کے اس رتھ کے آہنی پہیوں کے نیچے کچلی جا رہی تھی۔

پاکستان کی مخالفت:

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے خاتمہ پر انگریز کی حکومت آئی تو اس میں بھی یہی ثنویت قائم رہی۔۔ اس میں انگریز کی کوئی خصوصیت نہیں تھی۔ ہر سیکولر حکومت میں یہ تفریق وتقسیم باقی رہتی ہے۔ جب تحریک پاکستان کی آواز بلند ہوئی تو (جیسا کہ طلوع اسلام کی سابقہ اشاعت [1] میں بتایا گیا ہے) ہمارے ''علمائے کرام'' کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ اس کی وجہ بالکل عیاں ہے۔ ہندوؤں نے انہیں یقین دلا رکھا تھا کہ حکومت سیکولر انداز کی ہوگی، جس میں شخصی قوانین، مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں رہیں گے۔ اس کے برعکس مطالبۂ پاکستان کی بنیاد ہی اس تصور پر تھی کہ اس خطۂ زمین میں صحیح اسلامی حکومت قائم کی جائے گی۔ اس حکومت میں ملکی اور شخصی قوانین کی تفریق تو کجا، مذہبی پیشوائیت کی انسٹی ٹیوشن ہی باقی نہ رہتی۔ اس لئے ملا اسلامی حکومت کے مطالبہ کی تائید کس طرح کر سکتا تھا؟ ایسی حکومت کون چھوڑنا چاہتا ہے جس میں نہ پولیس کی ضرورت پڑے نہ فوج کی، اور گرفت میں رہیں لوگوں کے قلوب اور اذہان تک! لیکن ''فلک ناہنجار کی اس کجروی'' کا کیا علاج کہ اُن کی سخت مخالفت کے علی الرغم، پاکستان وجود میں آ گیا۔

عائلی کمیشن

1955ء میں عائلی کمیشن کا تقرر ہوا تو ملائیت کے چہرے کی رنگت اُڑنی شروع ہوئی۔ اس لئے کہ اس کمیشن کا دائرہ تحقیق اُن پرسنل لاز (شخصی قوانین) کو محیط تھا، جن پر ملا کا قبضہ تھا۔ اور اسے معلوم تھا کہ اس سلسلہ میں جو اصلاحی قدم بھی اٹھایا گیا وہ اسکے

[1] اپریل 1961ء

اختیارات کو ختم نہیں تو محدود ضرور کر دے گا۔ اس گروہ کا ایک نمائندہ کمیشن میں بطور رُکن شامل تھا [1]۔ چنانچہ جب کمیشن کی سفارشات مرتب ہوئیں تو سب سے پہلے اُس نمائندہ نے ان کے خلاف اختلافی نوٹ لکھا۔ یہ سفارشات اگرچہ قرآنِ کریم کی تعلیم کے کاملتہً مطابق نہیں تھیں، لیکن اُن کا رخ اس کی سمت کو ضرور تھا۔ مُلا کو بھلا یہ کب گوارا ہو سکتا تھا؟ مظلوم و مقہور، بے زبان عورتوں کی زندگی جہنم میں گزرتی ہے تو گزرے۔ ہزاروں خانداں تباہ ہوتے ہیں تو ہوں۔ بے کس اور لاچار معصوم اور یتیم بچے اپنے جائز حق سے محروم ہو کر دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں تو کھایا کریں، اسلام غیروں کی نظروں میں اضحوکہ بنتا ہے تو بنا کرے۔ یہ سب کچھ علی الرغم قرآن کے خلاف ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ اس سے مذہبی پیشوائیت کو کیا واسطہ؟ اسے اپنی خدائی کو سنبھالنے اور برقرار رکھنے کی فکر ہوتی ہے، اور چونکہ ان اصلاحی سفارشات کی زد اس کی خدائی پر پڑتی تھی، اس لئے اس نے ان کے خلاف متحدہ محاذ کھڑا کر دیا، اور یہ سفارشات اس شور و غوغا میں گم ہو کر رَہ گئیں۔ لیکن زمانے کے تقاضوں کو کب تک روکا جا سکتا تھا۔ عسکری حکومت نے ان تقاضوں کی اہمیت کا احساس کیا اور نہایت جرات اور بسالت سے کام لیتے ہوئے ان اصلاحات کی طرف پہلا قدم بڑھایا۔ ان اصلاحات کی مخالفت کرنے والوں کے متعلق محترم صدرِ پاکستان نے اپنے ''پاکستان ڈے'' کے پیغام میں کس قدر صحیح کہا ہے کہ:

> ''یہ اقدام، نوعِ انسانی کے اس مظلوم طبقہ سے عدلِ عمرانی کی خاطر کیا گیا ہے جسے مذہب کے مسخ کردہ نقاب کی آڑ میں، اس کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ جو لوگ اس سے مضطرب و بے قرار ہو رہے ہیں، انہیں چاہئے کہ اپنے ضمیر کا جائزہ لیں، اور جو جذبہ انہیں اس مخالفت پر آمادہ کر رہا ہے، اور جو خواہشات اس کے پیچھے کارفرما ہیں، ان کا صحیح صحیح اندازہ کرنے کے لئے اپنے دلوں کو ٹٹولیں۔''

3 مارچ کا نوروز:

یہ ہے برادرانِ عزیز! اس ثنویت کو ختم کرنے کی طرف پہلا قدم جو ہمارے دورِ ملوکیت میں پیدا ہوئی اور جس نے اُمت بیچاری کو دوہرے استبداد کے شکنجوں میں کسے رکھا۔ 3 مارچ کا دن میرے نزدیک، اسلام کی تاریخ میں قابلِ یادگار ''نو روز'' ہے جب قرنِ اول کے بعد پہلی مرتبہ ایک مملکت کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ ہم عورتوں کو وہ حقوق دینا چاہتے ہیں جو انہیں قرآن نے عطا کئے ہیں۔ برادرانِ گرامی قدر! کس قدر جواں بخت ہے ہمارا یہ دور جس میں چودہ سو سال کے بعد، رجعت الی القرآن کی صدائے جمیل نے فضا میں حسین ارتعاش پیدا کیا ہے۔ کس قدر خوش نصیب ہے یہ خطہء پاک، جسے ان آسمانی قوانین کا گہوارہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اور کس قدر مستحقِ تبریک و تہنیت ہے وہ ثریا بخت مملکت جس نے دنیا میں پھر سے قرآن کی آواز بلند کی ہے۔

مژدہ اے پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز! بعد مدت کے ترے رندوں کو پھر آیا ہے ہوش

---

[1] احتشام الحق تھانوی صاحب

تائید ومخالفت کا معیار

اس سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں نے اس عسکری انقلاب کا اس قدر پُرجوش خیر مقدم کیوں کیا تھا۔ اور اس کے اصلاحی اقدامات کو درخورِ تبریک کیوں قرار دیا ہے۔ یاد رکھئے! کسی سے ہماری مخالفت اور موافقت کا جذبہ محرکہ ایک اور صرف ایک ہے۔ قرآن کی موافقت میں جب اور جہاں سے بھی آواز اٹھے گی اُسے ہماری تائید وتعریف حاصل ہوگی۔ اس کے خلاف جو کچھ ہوگا، ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ نہ ہماری وہ موافقت کسی ذاتی میلان ورجحان کا نتیجہ ہوگی، اور نہ مخالفت کسی شخصی عناد وانتقام کی بنا پر، اور اس کی وجہ ظاہر اور بین ہے۔ ہمارے سامنے نہ کسی ذاتی مفاد کا خیال ہے، نہ سیاسی اقتدار کا تصور۔ ہم نہ کوئی پارٹی بنانا چاہتے ہیں، نہ مذہبی گروہ بندی۔ ہم نے آج تک (اپنے ہمنوا احباب کے علاوہ) نہ کسی گوشہ سے مالی امداد لی ہے اور نہ کسی قسم کی کوئی رعایت حاصل کی ہے۔ اس لئے کہ ہمارا ایمان ہے کہ خدا کے پیغام کے عام کرنے کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ اس آواز کا بلند کرنے والا ساری دنیا سے علی الاعلان کہہ دے کہ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ (26:109) ''میں بدلے میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر خدائے رب العالمین کے ذمے ہے'' یہی ہے وہ پیغام رساں جو دنیا کے بلند سے بلند تر آستاں سے مستانہ وار بے نیاز گزرتا جاتا ہے، اور خدا کی چوکھٹ کے علاوہ کسی اور چوکھٹ کے سامنے اپنا سر نہیں جھکاتا۔ اللہ ہمیں اس ایمان وایقان پر قائم رکھے۔

خواجہء من! نگاہ دار، آبروئے گدائے خویش آنکہ زجوئے دیگراں پُر نکند پیالہ را

ہماری کوششیں

عزیزانِ من! بیس سال سے زاید کا عرصہ ہوا جب میں نے قرآنی نظام کی تشکیل اور قوانینِ خداوندی کے احیاء کی آواز بلند کی۔ اُس وقت میری یہ آواز بالکل تنہا آواز تھی۔ میں نے معاشرہ کے کمزور ترین طبقہ، یعنی مسلم خواتین کی مظلومی پر نوحے کئے اور ان کے قرآنی حقوق کی بازیابی کے لئے مسلسل وپیہم کوشاں رہا۔ میں نے یتیم پوتوں کی محرومی پر خون کے آنسو بہائے، اور انہیں ان کے جائز حقوق دلوانے کے لئے امکان بھر جدوجہد کی۔ میں نے غریب اور محنت کش، فاقہ زدہ طبقہ کی محتاجی اور ستم رسیدگی پر ہزار داماں چاک کئے اور سرمایہ داری، زمینداری، اور ہر قسم کی عاجلانہ مفاد پرستی کو خدا کے نظامِ ربوبیت سے بدلنے کے لئے رات دن ایک کر دیا۔ میں نے امتِ مرحومہ کو سلطانی وملائی وپیری کے پنجہء استبداد سے چھڑانے کے لئے فکری جہاد کیا، اور اس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ میں نے یہ سب کچھ قرآن کی طرف سے عاید کردہ فریضہ کی سرانجام دہی کے لئے کیا۔ اس لئے میں اس کے عوض نہ ستائش کا متمنی ہوں نہ صلہ کا امیدوار۔ اس جدوجہد اور سعی کاوش میں، میرے خلاف جس قدر جھوٹا پراپیگنڈا کیا گیا، اور کیا جارہا ہے، اُس کی ایک تازہ مثال ملاحظہ کیجئے۔

جھوٹا پراپیگنڈا:

روزنامہ ''انجام'' کراچی کا ایک ذمہ دار اخبار ہے۔ اُس نے اپنی 5 مارچ کی اشاعت میں عائلی قوانین سے متعلق

آرڈی نینس پر اپنے افتتاحیہ میں تبصرہ کیا ہے۔ وہ اس میں لکھتا ہے:

''(سابقہ حکمرانوں نے) 1955ء میں مسلمانوں کے شخصی وعائلی قوانین پر نظرِ ثانی کے لئے ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین مرحوم کی زیرِ صدارت ایک کمیشن مقرر کیا تھا جس میں علماء اہل سنت والجماعت کے نمائندے کی حیثیت سے جناب مولانا احتشام الحق تھانوی شریک تھے، اس میں ایک خاص نقطۂ خیال کے حامل یا صاف الفاظ میں احادیثِ رسول کریم (ﷺ) کے منکر، مسٹر غلام احمد پرویز بھی شامل کئے گئے تھے اور چونکہ پاکستان میں ننانوے فی صد سے بھی زیادہ اکثریت احادیثِ مقدسہ کو قرآن مجید کی تفسیر وتشریح اور قالبِ اسلام کی رُوح سمجھتی ہے اس لئے اکثر وبیشتر پاکستانی اخبارات نے اس نامزدگی کی مخالفت کی تھی''

اور ساری دنیا جانتی ہے کہ ''مسٹر غلام احمد پرویز'' بیچارے کو اس کمیشن سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ میں ان مخالفتوں کی پروا کئے بغیر اپنے فریضہ کی سرانجام دہی میں برابر مصروفِ تگ وتاز رہا۔ اس یقینِ محکم کے ساتھ کہ خدا کا فیصلہ ہے کہ حق، آخر الامر غالب آ کر رہتا ہے۔ بایں ہمہ، مجھے اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ میری یہ حقیر سی کوششیں میری زندگی ہی میں نتیجہ خیز ہو جائیں گی۔ لیکن آج میرا سرِ نیاز اُس بارگاہِ صمدیت کے آستانہ عالیہ پر سجدہ ریز ہے، جس کی عاجز نوازیوں کے تصدق مجھے، خود اپنی توقعات کیخلاف ایسی عظیم سعادت نصیب ہوگئی۔ اور میں نے یہ نشیدِ بہار اپنے کانوں سے سُن لی کہ مظلوم انسانیت کو پھر سے قرآنی حقوق دیئے جائینگے۔ بارالٰہا! تیری اِن گہربار نوازشات کا کس طرح شکریہ ادا کیا جائے!!

ہدیۂ تبریک:

لیکن برادرانِ من! یہ میری تنہا کوششوں کا نتیجہ نہیں۔ اگر آپ احباب میرے دست وبازو نہ بنتے تو ہمیں، یہ مبارک دن دیکھنا کیسے نصیب ہوتا۔ اس لئے اس جشنِ مسرت میں آپ سب احباب میرے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ قرآن کے شیدائیو! تمہیں ہزار ہزار مبارک ہو کہ اللہ کے سحابِ کرم نے تمہاری کشت آرزو کو اس طرح لالہ زار اور پُر بہار بنا دیا۔ تم وجد ومسرت سے جھومو۔ خوشیوں کے جھولے جھولو، تبریک وتہنیت کے گیت گاؤ۔ ایک دوسرے پر مبارک بادیوں کے پھول برساؤ اور ملتِ پاکستانیہ کو دعوت دو کہ ؎

بیا تا گل بیفشانیم ومے در ساغر اندازیم فلک را سقف بشگافیم وطرحِ دیگر اندازیم

برادرانِ من! جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے، اس وقت تک ملک میں جس قدر اصلاحی قدم اٹھائے گئے ہیں، وہ کاملۃً قرآن کے مطابق نہیں، لیکن میں نے اس کے باوجود ان پر مسرت وتہنیت کے نغمات اس لئے پیش کئے ہیں کہ اُن کا رُخ اس منزل کی طرف ضرور ہے، جہاں آخر الامر قرآن لے جانا چاہتا ہے۔ ابتدائے کار کے لئے یہ بھی از بس غنیمت ہے کہ ؎

روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں گلشن میں چاک چند گریباں ہوئے تو ہیں

ان میں لہو جلا ہو ہمارا کہ جان ودل محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں

زمانے کے تقاضے:

اس سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہوجاتی ہے کہ زمانے کے تقاضے مجبور کررہے ہیں کہ دنیا کی چوکھٹوں کا ٹھکرایا ہوا انسان پھر سے خدا کے دروازے پر دستک دے۔ اب ملوکیت، سرمایہ داری، خانقاہیت، ملائیت، غرضیکہ مفاد پرستیوں کی کوئی قوت بھی زمانے کے سیلِ رواں کے سامنے روک بن کر کھڑی نہیں ہوسکتی۔ صدیوں کی کچلی ہوئی انسانیت اب ہر طاغوتی قوت سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ:

قفس ہے بس میں تمہارے، تمہارے بس میں نہیں چمن میں آتشِ گل کے نکھار کا موسم!

اب صحنِ عالم کی ہر شاخ جوشِ نمو سے بیتاب ہے۔ اب یہ جوئے رواں کسی کے روکے رُک نہیں سکتی۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اب پوری فضا کس طرح قرآن کی آواز سے معمور ہورہی ہے۔ وہ آواز، جس کا کچھ عرصے پہلے زبان تک لانا جرمِ عظیم سمجھا جاتا تھا، اب کس طرح حکومت کے کاشانوں اور عدالت کے ایوانوں تک سے فردوسِ گوش بن رہی ہے۔

اب وہی حرفِ جنوں سب کی زباں ٹھہری ہے جو بھی چل نکلی ہے وہ بات کہاں ٹھہری ہے

زمانے کے اس تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات، میرے اس یقین کو محکم سے محکم تر کئے جاتے ہیں کہ اب وہ وقت دور نہیں جب قرآن کا مہرِ عالمتاب ساری دنیا کو آئینہ پوش بنادے۔ اور ''زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اُٹھے''۔ اے کاش! ہمارے قدامت پرست طبقے کو بھی کوئی اتنا سمجھا سکے کہ ؎

ہے اب بھی وقت زاہد، ترمیمِ زہد کرلے! سوئے حرم چلا ہے، انبوہِ بادہ خواراں!

لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سعادت ان کے حصے میں نہیں آسکے گی اس لئے کہ: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ۝۱۴ (27:14) ''وہ ظلم وتکبر سے اس کا انکار کئے جارہے ہیں، حالانکہ ان کے دل اندر سے اس کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں۔ تو دیکھو! معاشرہ میں فساد پیدا کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔''

حُدی را تیز تر می خواں:

برادرانِ عزیز! چونکہ میں اپنا تفصیلی خطاب آج شام کی نشست میں پیش کرنے والا ہوں، اس لئے اس خطاب کو مختصر کرنا چاہتا ہوں۔ اس مقام پر میں آپ کی خدمت میں ایک بنیادی نکتہ پیش کروں گا۔ دنیا کے عام پروگراموں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جُوں جُوں وہ کامیابی کے قریب پہنچتے جاتے ہیں سفر کی صعوبتیں کم ہوتی جاتی ہیں لیکن قرآنی نظام کے پروگرام کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں کامیابی وکامرانی مزید ذمہ داریوں کا موجب بن جاتی ہے۔ سورہ والنصر اس کی زندہ شہادت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: اِذَا جَاۗءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۝۲ (110:1-2) جب اللہ کی نصرت قریب آجائے اور فتح وکامرانی سامنے کھڑی دکھائی دے اور تو دیکھے کہ لوگ فوج درفوج نظامِ خداوندی میں داخل ہورہے ہیں تو یہ نہ سمجھ لو کہ بس اب ہمارا کام ختم ہوگیا۔ اب ہمیں اطمینان کی نیند سوجانا چاہئے۔ نہیں، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۝۳ (110:3) اس وقت نظامِ خداوندی کو وجہِ حمد وستائش بنانے کے لئے اور بھی زیادہ سرگرمی

سے مصروفِ عمل ہو جاؤ۔ اور مخالف قوتوں سے حفاظت طلبی میں اور بھی شدت سے کوشش کرو۔ تم یہ کرو اور پھر دیکھو کہ خدا کی رحمتیں کس تیز خرامی سے تمہاری طرف لَوٹ کر آتی ہیں۔

یعنی جس وقت یہ پروگرام منزل تک پہنچ جائے اور اسے قبولیتِ عامہ حاصل ہو جائے، تو اس کے بعد بھی تمہاری جدوجہد کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ہمارے سامنے تو ابھی منزل آئی ہی نہیں۔ ابھی صرف اُس کے دھندلے سے نقوش دکھائی دیئے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے ابھی بہت کام باقی ہے۔ آپ صرف اتنا دیکھئے کہ آپ نے جو تھوڑی بہت کوشش کی ہے، اُس کا نتیجہ کس قدر حوصلہ افزا اور اطمینان بخش ہے۔ اگر ہم اپنی کوششوں کی رفتار اور تیز کر دیں تو پھر دیکھئے کہ ان کے نتائج کس قدر تحیر انگیز اور مسرت خیز ہوں گے۔ آپ ذرا سی ہمت اور کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کس طرح یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آتی ہے کہ ؎

نفسِ بادِ صبا مشک فشاں خواہد شُد عالم پیر دگر بار جواں خواہد شُد

آخری اپیل:

آخر میں، میں اپنی اُس مخلصانہ اپیل کو ایک بار پھر دہراؤں گا، جسے میں ہر سال آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ

(1) اپنے ذہن میں کسی غیر قرآنی تصور و خیال کو جاگزیں نہ ہونے دو۔

(2) اپنے قول سے ہی نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی ثابت کرو کہ قُرآن کی تعلیم انسان کو کس بلند مقام پر لے جاتی ہے۔

(3) قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دو۔ لیکن جو کچھ کرو خالصۃً لوجہ اللہ کرو۔ اس میں کسی ذاتی مفاد یا جذبہ کو دخل انداز نہ ہونے دو۔

(4) آپ سے کسی قسم کی کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہونے پائے جس میں فرقہ پرستی یا پارٹی بازی کا شائبہ تک بھی پایا جائے۔ اپنے دامن کو ان خاردار جھاڑیوں سے قطعاً نہ الجھنے دو۔

(5) اپنے وقت اور توانائی کو، ضدی طبقے کے ساتھ بحث و تمحیص میں ضائع نہ کرو۔ قرآنی تعلیم کو صرف اُن لوگوں کے سامنے پیش کرو جو علم و بصیرت سے سمجھنے اور سنجیدگی سے اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔

(6) ہر رات سونے سے پہلے یہ سوچو کہ آپ نے:

(i) دن بھر قرآنی احکام و تعلیم کے خلاف تو کوئی کام نہیں کیا۔ اور (ii) آپ نے کسی دکھی انسان کو سکھ پہنچانے کے لئے کیا کیا ہے۔ یاد رکھئے! انسانیت کی بے لوث خدمت، بلند ترین مقصدِ زندگی ہے۔

(7) اور آپس میں محبت اور پیار اور مودت و الفت کے ساتھ رہو، کہ دنیا میں قرآنی رشتے سے زیادہ پاکیزہ اور گہرا رشتہ اور کوئی نہیں۔

اللہ آپ کو خوش و خرم رکھے اور آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔

والسلام

پرویزؔ

دوسرا اجلاس

اہم خطاب:

7 اپریل ۔ چار بجے دوپہر کنونشن کا دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ اس نشست میں پرویزؔ صاحب کا وہ اہم فکر انگیز اور بصیرت افروز خطاب فردوسِ گم گشتہ بننا تھا، جس کا عنوان تھا___

''اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟''

کس قدر علم افروز تھا یہ موضوع، اور ارتقائے وقت کی کس قدر اہمیت وضرورت وابستہ ہے اس جواب سے۔ ایک مفکرِ قرآن ہی اس کا موزوں ترین اور علی وجہ البصیرت جواب دے سکتا ہے۔ چنانچہ تلاوتِ کلامِ پاک اور نظم کے بعد جب پرویزؔ صاحب اس اہم موضوع کو لے کر مائیک کے سامنے آئے تو وسیع وعریض اور حاضرین سے بھرپور پنڈال ہمہ تن گوش تھا۔

آغازِ خطاب کرتے ہوئے پرویز صاحب نے سب سے پہلے ان اخلاقی اقدار کا تجزیہ کیا جنہیں ''عالمگیر سچائیوں'' کے نام سے، ابوالکلام آزاد مرحوم اور دوسرے بزرگ تمام مذاہب کا مشترکہ سرمایہ قرار دیتے رہے ہیں۔ پرویزؔ صاب نے واضح کیا کہ ''اس قسم کی سچائیاں'' تو دہریوں اور خدا کے منکروں کے ہاں بھی مروج آ رہی ہیں۔ انہیں مذہب سے ہی کیوں مخصوص کیا جائے۔ اور اس کے بعد وہ ایک قدم آگے بڑھے اور مذہب کے مقابلہ میں دین کا ارفع واعلیٰ مفہوم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام ایک دین ہے اور دین چند اخلاقی اقدار کا نام نہیں، بلکہ ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی ہے جو حیاتِ انسانی کے ہر گوشے کو محیط ہے۔ یہ زندگی کو وہ بنیادیں عطا کرتا ہے جن پر اخلاقی اقدار کی پوری عمارت استوار ہوتی ہے۔ دین زندگی کے اُن بنیادی تصورات کا حامل ہے جو نگاہ کے زاویئے بدل دیتے ہیں اور انسانی سعی وعمل کا رُخ متعین کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے ان تصورات کی تفصیل پیش کرتے ہوئے دین اسلام کا تقابل مروجہ مذاہب سے کیا۔

مفکرِ قرآن کا مخصوص انداز بیان، دلنشین دلائل وبراہین، منتہائے زندگی کی نقاب کشائی، یہ سب کچھ ایک نہرِ سلسبیل کی طرح قلوب واذہان کو سیراب کرتا چلا گیا۔ ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے اسلام کے حیات آفریں اور حسین وجمیل گوشوں سے نقاب اٹھتے چلے گئے۔ قرآنی تصورات کی تابناکیاں فکر ونظر کی پہنائیوں کو جگمگاتی اور اسلام کی ہمہ گیر سچائیوں کو مرتسم کرتی گئیں۔ اور جب غروب آفتاب کے ساتھ یہ خطاب ختم ہوا تو ہر زبان بیساختہ پکار رہی تھی کہ واقعی سچا دین صرف اسلام ہی ہو سکتا ہے۔ دلائل وبراہین کی عظمت ورفعت کے اعتبار سے یہ خطاب اس قابل تھا کہ عصرِ حاضر کی ہر مروجہ زبان میں اس کا ترجمہ کر کے اس کی کرنیں دنیا بھر میں پھیلا دی جائیں۔ تاکہ خدا کی یہ زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اُٹھے، اور مظلوم انسانیت اس روشنی میں دینِ حق کے اس صراطِ مستقیم پر چلنے کے قابل ہو جائے جو اس کے ارفع واعلیٰ مقاصد کا معراجِ عظیم [1] ہے۔

---

[1] یہ خطاب پرویزؔ صاحب کے مجموعۂ مضامین___ سلسبیل___ میں شائع ہو چکا ہے۔

تیسرا اجلاس

پرویزؒ صاحب کا درسِ قرآن:

7 اپریل، رات کے نو بجے کنونشن کا تیسرا اجلاس آغاز پذیر ہوا، جس میں مختلف تقاریر کے بعد، پرویز صاحب کے درس قرآن کی باری تھی۔ ''انسان اور خدا کے دشمن'' انکے درس کا موضوع تھا۔ یہ دشمن کون تھے؟ وہی ''سلطانی وملائی وپیری'' کے نمائندے، جن کے باہمی گٹھ جوڑ نے ہر دور میں انسانیت اور خدا کے سچے دین کو پامال کیا۔ جنہیں قرآن نے صاحبِ ضربِ کلیم کے مقابلے میں فرعونؔ، ہامانؔ اور قارونؔ کے نام سے پیش کیا۔ ایک ملوکیت کا نمائندہ، دوسرا مذہبی پیشوائیت کا اجارہ دار اور تیسرا سرمایہ داری کا نقیب۔ حق و باطل کی ہر تاریخی آویزش میں یہ ''اقانیم ثلاثہ'' شانہ بشانہ اِن داعیانِ حق کے مقابلہ میں آئے جو وحیٔ خداوندی کی روشنی میں احترامِ آدمیت کے پاسبان بن کر اٹھے۔ پرویزؔ صاحب نے تاریخ کے اسی سلسلۂ تفاصیل کو اپنے مخصوص اور دلنشین انداز میں قرآن کی زبان سے بیان کیا، اور انسان اور خدا کے دشمنوں کے چہروں کے دلفریب نقاب تار تار کر ڈالے۔ خطاب کیا تھا، تاریکیٔ شب میں شمعِ قرآنی کی تنویریں تھیں جو قلب ونگاہ کو منور کر رہی تھیں۔ دلوں سے بے ساختہ آواز اٹھ رہی تھی کہ

ساقی! سیاہ خانۂ ہستی میں دیکھنا روشن چراغ کس نے سرِ شام کر دیا

❁❁❁❁❁

مجلس استفسارات:

8 اپریل کی رات کی نشست مجلسِ استفسارات کے رنگ میں تھی۔ ہمیشہ کی طرح زندگی کے اہم ترین علمی مسائل کے بارے میں اہم ترین سوالات اور مفکرِ قرآن کی زبان سے قرآنی فکر وبصیرت کی روشنی میں ان کے نکھرے نکھرے جوابات۔ اعلان کے مطابق تمام سوالات تحریری صورت میں آغاز اجلاس سے قبل پرویزؔ صاحب کی خدمت میں پہنچا دیئے گئے تھے۔ حسبِ سابق اس مرتبہ بھی بڑے اہم سوالات سامنے آئے۔ تقدیر کا قرآنی مفہوم کیا ہے؟ دعا سے کیا ہوتا ہے؟ منصبِ نبوت کے لئے خدا کا قانون کیا ہے؟ کمیونزم کے مقابلہ میں اسلام کی امتیازی حیثیت کیا ہے؟ حلت وحرمت کا قرآنی فلسفہ کیا ہے؟ قرآن کس طرح زندگی کے ہر گوشے میں اصولی راہنمائی دیتا ہے؟ رسول اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ کس طرح ساری دنیا کیلئے قندیلِ راہ ہے؟ (وغیرہ وغیرہ)۔ یہ تھے وہ اہم سوالات، جن کے جوابات مفکرِ قرآن نے اپنے مخصوص بلیغانہ انداز میں شروع کئے۔ قرآنی فکر وبصیرت کی جوئے رواں نے عراقِ دلنشیں کے ساز چھیڑ دیئے اور ایسا معلوم ہونے لگا گویا

پھر سے نغموں کے تار ہلتے ہیں پھر سے شاخوں پہ پھول کھلتے ہیں!

سکوتِ نیم شبی تک نغموں کے یہ تار حرکت میں رہے۔ فکر وبصیرت کی شاخیں پھول برساتی رہیں۔ مسائلِ زندگی کے اہم ترین گوشوں کی نقاب کشائی ہوتی چلی گئی۔ قلب ونگاہ کی الجھنوں میں نکھار پیدا ہوتا گیا۔ قرآن کا طالب علم، کس مقام بلند سے

کاروانِ حیات کی گزرگاہوں کا جائزہ لیتا ہے؟ اس کی عقابی نگاہ کس طرح زندگی کی کٹھن راہوں کا اندازہ اور پُرخطر گھاٹیوں کی نشاندہی کرتی ہے؟ کس نکھرے ہوئے انداز میں مختلف گتھیوں کو سُلجھاتی ہے؟ یہ مجلس، ان سوالات کا جیتا جاگتا جواب بن رہی تھی۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ایوان کی پوری فضا پر ایک سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ مجلس برخاست ہو، بلکہ دلوں سے برملا دعائیں ابھر رہی تھیں کہ

دلچسپ ہو گئی ہے پریشانیٔ حیات اے زلفِ عنبریں تری الجھن دراز ہو

محفلیں جمتی ہیں اور پھر اُٹھ جاتی ہیں اور اس طرح پھر بار بار جمتی ہیں۔ اس محفل کو بھی بالآخر اٹھنا پڑا۔

آخری اجلاس:

9 اپریل کی صبح، آخری اجلاس کی آئینہ دار بن کر طلوع ہوئی۔ پرویزؔ صاحب کا اہم خطاب سامنے آ رہا تھا جس کا عنوان تھا۔

''فردوسِ گم گشتہ''

(جس کی تلاش میں یورپ مارا مارا پھرتا ہے)

پرویزؔ صاحب کا خطاب:

تلاوت کامِ پاک اور نظم کے بعد پرویزؔ صاحب نے اپنا خطاب شروع کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے یورپ میں مروجہ مذہب عیسائیت کے متعلق وہاں کے اربابِ بصیرت کا ردِعمل پیش کیا اور واضح کیا کہ ان منظم مستشرقینِ مغرب کے نزدیک عیسائیت ''شکست خوردوں کا مذہب'' قرار پا چکی ہے۔ پھر انہوں نے عیسائیت (اور خود نفس مذہب) کے خلاف اس شدید ردِ عمل کا تجزیہ کیا جو مادی تصورِ حیات کی صورت میں وہاں رائج العام ہوا۔ اور تہذیبِ مغرب کی موجودہ ترقی یافتہ صورت میں برگ و بار لایا۔

تہذیبِ مغرب، اخلاقیات، سیاسیات، معاشیات اور زندگی کے دیگر اہم شعبوں میں کسقدر ہلاکت خیزیاں لے کر آئی، اس کی تفصیل بھی مفکرِ قرآن نے، مفکرینِ مغرب کی شہادتوں سے پیش کی۔ اور ان کی وہ چیخ و پکار اور نالہ و فریاد بھی، جو ہلاکت خیزیوں کے اس سیلاب میں سنائی دے رہے ہیں۔

یورپ کو اب کس قسم کے مذہب کی تلاش ہے اور اسلام کس حسن و خوبی سے اُن کے یہ تقاضے پورے کر سکتا ہے؟ پرویزؔ صاحب کے موضوع کا گوہرِ مقصود۔ اور قرآنی فکر کی جس قوتِ استقلال سے وہ ایوان کے سامنے لائے وہ انہیں کا طرۂ امتیاز ہو سکتا ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ انہوں نے بدلائل و براہین اور علیٰ رؤس الاشہاد، اس حقیقتِ ثابتہ کی نشاندہی فرما دی کہ یورپ جس جدید نظام کی تلاش میں مضطرب اور سرگرداں ہے، وہ اُسے قرآن کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکا۔

الوداعی مجلس:

آخری اجلاس کے اختتام سے کنونشن کا باضابطہ پروگرام بھی تکمیل پا گیا۔ اب وہ نازک لمحے سامنے تھے جو زبانِ حال

سے پکار کر کہہ رہے تھے کہ

غنیمت جان لو مِل بیٹھنے کو جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے!

چنانچہ آخری اجلاس ختم ہونے پر بھی ایوان میں سے کوئی اپنی جگہ سے حرکت پر آمادہ نہ ہوسکا۔ کوئی بھی مِل بیٹھنے کی ان ساعتوں سے محروم ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں احباب کے چہرے حزن وملال کی تصویر بن گئے تھے۔ جدائی کے تصور نے ان کے جذبات واحساسات میں الم انگیز کیفیت پیدا کر دی تھی۔ ذہنی اور نفسیاتی تغیر کا یہ ملال آ گیں مرحلہ پورے پنڈال، بلکہ پورے کنونشن ہاؤس کی فضا میں اُداسیاں پیدا کر چکا تھا۔ ایوان پر گہری خاموشیاں طاری تھیں اور نگاہوں سے ایک عجیب حسرت سی ٹپک رہی تھی۔

جہاں مے کے چھینٹے مسرت فشاں تھے اُسی بزم میں اشکِ غم بھی رواں ہیں

یہ تھا وہ ماحول، جس کی فضائے سوز ناک میں میرِ کارواں تلخابہء شیریں کو ہاتھ میں لئے مائیک پر نمودار ہوئے۔ سہ روزہ پروگرام کی رفتار میں یہ پہلا اور نازک ترین مرحلہ تھا جب اس الوداعی رسم کی ادائیگی میں زبان ان کے احساسِ غم کی ترجمانی میں اظہارِ عجز کر رہی تھی اور الفاظ ان کا ساتھ دینے میں پس وپیش کر رہے تھے۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے وہ کچھ دیر اپنے، زندگی اور موت کے ساتھیوں پر نگاہ جمائے رہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ ان کے لبوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ پنڈال میں اب ان کی تھرتھراتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی اور وہ ممکناتِ زندگی کی نقاب کشائی کر رہے تھے۔

الوداعی پیغام:

برادرانِ عزیز!

دَم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

''سال بھر کے انتظار کے بعد آپ آتے ہیں تو ایک ایک قدم سے میری قسمت کے ستارے روشن ہوتے جاتے ہیں۔ تین دن کن خوشیوں کے ہجوم میں گزرتے ہیں اور پھر جب رخصت کا وقت آتا ہے تو ایک جانگداز سی کیفیت مجھ پر طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن! یہ جانا بھی تو ضروری ہو جاتا ہے تاکہ آپ پھر آئیں تو مسرتوں سے بھرے ہوئے دامن سمیٹتے آئیں۔ آپ جو نقوش اس فضا میں چھوڑ جاتے ہیں وہ میرے لئے سال بھر کافی سامانِ طمانیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہ نقوش دل کی زمینوں میں مرتسم ہوتے ہیں اور سال بھر آپ کی یاد تازہ کرتے اور مجھ سے گویا باتیں کرتے رہتے ہیں۔ آخری پیغام ایک ہی ہوسکتا ہے -- وہی پیغام جو دینے والے نے (رُوحی فداہ) آخری بار سب کو دے دیا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا پیغام اور کیا ہوسکتا ہے؟ -- وہ پیغام بہار اور نوید جشنِ نوروز جسے اگر عام کر دیا جائے تو صحنِ چمنِ عالم کی کلی کلی متبسم ہو جائے۔

اس پیغام کو عام کرنے کی جدوجہد جاری رکھئے۔ اور اب تو

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا

آپ کی جدوجہد کے نتائج محسوس و مشہود طور پر منظرِ عام پر آ رہے ہیں، اور آپ کی کوششوں سے فضا دن بدن نشید قرآنی سے معمور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ابھی اور کتنی سعادتیں ہیں جو ہماری قسمت میں لکھی ہیں۔ یقین رکھیئے کہ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ کوئی طاقت اب اسے روک نہیں سکتی۔ اس کے باوجود یہ آپ کا فریضہ ہے کہ ایک ایک لمحہ کی قیمت کو سمجھئے۔ زمانہ کرب و اضطراب سے کروٹیں بدل رہا ہے۔ اور پاؤں سے کانٹا نکالنے کے تقاضے سے ذرا بھی رُکے تو وہ روندتا ہوا گزر جائے گا۔ اس لئے ایک ایک لمحہ کو جاودانی سمجھئے۔ نہیں بلکہ سورج کی کرنوں سے اپنے لئے کچھ اوقات ادھار مانگ لیجئے۔ یہ ہماری سعادت بختی ہے کہ ہم سے کسی بڑی قربانیوں کا مطالبہ نہیں کیا گیا، ورنہ اس راہ میں تو پہلا قدم ہی بدر کا میدان ہوتا ہے۔''

الوداعی پیغام سے فارغ ہونے کے بعد پرویزؔ صاحب اسٹیج سے نیچے آئے اور باری باری احباب سے گلے ملنے لگے۔ اور اس کے بعد بزم قرآنی کے یہ طائرانِ پیش رس، مخلصانہ آرزوؤں کے جلو میں ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ ستاروں کی انجمن آہستہ آہستہ بکھرتی چلی گئی۔ اور جب آفتاب اپنے نصف النہار سے آگے بڑھا تو اس کی نگاہیں کنونشن ہاؤس کی رونقوں کو اجڑتے دیکھ رہی تھیں۔ جہاں تین دن اور تین راتیں مسلسل نشیدِ قرآنی سے لالہ وگل کی فضا جھومتی رہی، وہاں اب گہری خاموشیاں طاری ہوتی جا رہی تھیں۔ کنونشن کمیٹی کے صدر اور کنونشن ہاؤس کے زندہ دل میزبان، جس کے چہرے پر ہمیشہ ایک مسکراہٹ سی کھیلتی نظر آتی ہے، اب خاموش اور اداس اداس سا دکھائی دیتا تھا۔ اب وہ سال بھر اِن انوکھے مہمانوں اور زندگی کے ساتھیوں کا انتظار کریں گے، اور آئندہ موسمِ بہار، اور جشن نزولِ قرآن کے ساتھ پھر خیر مقدم کی تیاریوں میں لگ جائیں گے۔

کنونشن ہاؤس کے میزبانو! اور بزمِ قرآنی کے ہمصفیرو!! تم سب پر سلام ہو کہ تمہارے ربطِ باہمی اور ذوقِ سفر کے صدقہ میں آج قرآنی صبحِ انقلاب کی کرنیں، قدامت پرستی کی تاریکیوں اور سازشِ عجم کی چلمنوں سے اُبھر اُبھر کر پاکستان کی فضائے بسیط میں پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔ تم نے دیارِ عشق میں اپنے مقام کا تعین کر لیا، اور ایک نیا زمانہ اور نئے شام و سحر تمہارے قدم لینے کو آگے بڑھ رہے ہیں۔ مبارک ہوں زندگی کی یہ کامرانیاں اور سعد بختیاں، جن پر تاریخ ناز کرے گی۔ اور

آنے والا وقت لکھے گا کہانی ایک نئے مضمون کی

❁❁❁❁❁

شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی

میں ادارہ طلوعِ اسلام کے چیئرمین جناب محمد اکرم راٹھور کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے رفقاء کے مطالبہ پر میرے جیسے ایک ادنےٰ تلمیذ القرآن کو بزم طلوعِ اسلام کے اراکین اور سامعین درسِ قرآن کی اس محفل سے خطاب کرنے کی دعوت دی ہے اور خطاب کا موضوع بھی متعین فرمایا کہ:

''اَلۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی اور ان کا انسانی زندگی سے تعلق''

میرے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ فلہٰذا آج بمورخہ 5 مئی 2019ء بروز اتوار اپنی کم علمی کے باوجود اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتا ہوں لیکن ایک امر کا برملا اعتراف کرتا ہوں کہ جو کچھ میں اس محفل میں سامعین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اس میں استادِ محترم علامہ غلام احمد پرویز مرحوم کے انداز اور قرآنی مفہوم کا تتبع کیا ہے بلکہ اکثر مقامات پر ان کی تحریروں کو اپنایا گیا ہے۔ اُمید ہے معزز سامعینِ کرام اسے برداشت کر لیں گے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی (20:8)

اللہ اس کے سوائے کوئی الٰہ نہیں۔ اسی کے ہیں اچھے نام۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلِلّٰہِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡہُ بِہَا ۪ وَذَرُوا الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اَسۡمَآئِہٖ ؕ سَیُجۡزَوۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (7:180)

اور اللہ ہی کے ہیں سب اچھے نام سو ان کے ساتھ اس کو پکارو اور ان کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں ٹیڑھی راہ چلتے ہیں۔ انہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔

قبل اس کے کہ میں ''اَلۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی'' پہ بات کروں، میں یہ واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ ساری گفتگو انسانوں کی زبان میں ہوگی جو علاقائی مخصوص حالات میں انسانوں نے مرتب کی ہے اس لئے بعض ایسی باتیں جو علاقائی مخصوص حالات یا تقاضوں کے متعلق نہ ہوں، انہیں بیان کرنا ایک دشوار امر ہے۔

آیۂ زیرِ نظر (20:8) میں اللہ تبارک (25:1) وتعالیٰ (6:100) کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ اللہ وہ بلند بالا ہستی ہے جو انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جس کی عظمتوں کے سامنے انسانی عقل وادراک متحیر رہ جاتے ہیں۔ جس کا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے۔ جس کی اطاعت نہایت ضروری ہے لیکن ہم اس کی اطاعت اس کے قانون کی رُو سے کر سکتے ہیں جو اس نے اپنی طرف سے بذریعہ وحی ہمیں دیا ہے اور جو اب قرآن کریم میں محفوظ ہے۔

کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے سب اسی کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ عالمِ امر میں بھی اسی کا قانون کارفرما ہے اور عالمِ خلق میں بھی۔ یہ قوانین اس نے اپنی مشیت سے بنائے ہیں اور اسی کی قدرت (کنٹرول واختیار) سے یہ قوانین نافذ العمل اور کارفرما ہیں اور یہی وہ سنت اللہ ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی (35:43)۔

کائنات میں قدرتِ خداوندی کی فعّالیّت جن اقدار کے مطابق سرانجام پاتی ہے۔ انہیں ''اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی'' کہتے ہیں۔ ان کی حقیقت کا اظہار بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی بذریعہ وحی کیا ہے۔ ہم ان سے اللہ تعالیٰ کے متعلق (اپنی ذہنی حدود کے اندر رہتے ہوئے) اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ کی ہستی کے بارے میں ہم کچھ نہیں جان سکتے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی معرفت (جاننے پہچاننے) کا حکم نہیں دیا۔ اس پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ خدا پر صحیح ایمان کے معنی ہیں ایسی ہستی کا ماننا جس کے اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا معاملہ اور ان کا الگ شعور، غیر ضروری صوفیانہ بکھیڑوں اور فلسفیاتی الجھنوں کا باعث ہے۔ ''ذات'' کا لفظ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں آیا۔ یہ عربی لفظ ''ذ'' کا مؤنث ہے اور اس کا معنی ''Personality'' ہرگز نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں یا صفات کا تصور بھی غیر قرآنی ہے۔ صفت کے معنی Attribution کے ہوتے ہیں یعنی (Ascribed as Belodging to a Person)۔ محدود وادراک کا حامل انسان اس لائق نہیں کہ ایک لامحدود ہستی کی از خود کسی صفت کا تعلق کرے یا اسے بیان کرے۔ (23:91)۔ اللہ اس سے بہت بلند ہے جو لوگ صفات بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی بات کہنا مناسب ہے جو اس نے خود بتائی ہے۔ انسان از خود، خدا کے بارے میں نہ جان سکتا ہے اور نہ بتا سکتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ اس کے تخیل کی پیداوار ہو۔ قرآنِ کریم نے اس کے لئے ''اسم'' کا لفظ اختیار کیا ہے جو ایک کائناتی عمل کے اظہار کے لئے ایک عمدہ انداز ہے۔

علامہ پرویز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں اگرچہ لفظ ''اللہ'' کو اسم ذاتی اور اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی کے لئے صفاتِ خداوندی کی ترکیب اختیار کی ہے (غالباً اس لئے کہ ان کے زمانہ میں یہ تراکیب اسلامی دنیا میں مروج تھیں) لیکن وہ ذات وصفات کی اصل حقیقت سے آگاہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب تبویب القرآن میں ''اَلْاَسْمَآءُ

الْحُسْنٰی ‘‘ کے تفصیلی تذکرہ کے بعد لکھا ہے:

’’یہ ہیں وہ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی جن سے خدا نے خود اپنا تعارف کرایا ہے۔ اس فہرست میں اور بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔ یعنی خدا نے جتنے اور امور کی نسبت اپنی طرف کی ہے ان سے اس کی صفات کا تصور سامنے آتا ہے۔ لیکن یہ صفات ہوں یا کوئی اور، ان میں اس نکتہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ یہ صفات اس پیمانے کی نہیں جس پیمانے کی صفات انسانوں میں ہوتی ہیں۔ انسانی صفات میں جذبات کا دخل ہوتا ہے اور خدا جذبات سے بلند، منزہ اور مبریٰ ہے۔ نیز انسانی صفات محدود پیمانے پر ہوتی ہیں اور خدا کی صفات لامحدود پیمانے پر۔ اس لئے خدا نے کہا ہے کہ ان صفات کی رو سے ذہن انسانی خدا کے متعلق جو تصور قائم کرتا ہے، اس کی ذات اس سے بلند و بالا ہے۔ محدود ذہن لامحدود کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ (23:91) سے یہی مراد ہے۔‘‘

علامہ غلام احمد پرویزؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں، من و یزداں اور تبویب القرآن میں ’’الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ‘‘ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے 99 (نُودنہ) ناموں کی ایک فہرست مروّج چلی آتی ہے اور آج کل چھپنے والے قرآنی نسخوں کی جلد کے اندرونی صفحات پر بڑے خوبصورت انداز میں درج ہوتی ہے لیکن ان کے ساتھ قرآنی حوالہ جات درج نہیں ہوتے۔ ’’قرآن آسان تحریک لاہور‘‘ نے سید شبیر احمدؒ کا ترجمہ دو رنگوں میں شائع کیا ہے۔ اس کی جلد کے اندرونی دو صفحات پر 101 اسماء کی فہرست شائع ہوئی ہے جس میں قرآنی حوالے بھی درج ہیں۔ انہیں نے مروج ناموں سے دو (اَلْمُقِيْتُ، اَلرَّشِيْدُ) کا تذکرہ نہیں کیا اور دیگر چار اسماء شامل کر دیئے ہیں۔ مزید یہ کہ کئی جگہ ان اسماء کے قرآنی حوالے بھی محلِ نظر ہیں۔ (مُقیت کے لیے دیکھیں (4:85) اور الرشید کا لفظ قرآن مجید میں نہیں آیا۔)

اس پوزیشن کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ ’’الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ‘‘ کی فہرست قرآن کریم کے حوالہ جات کے ساتھ مع ترجمہ مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان حوالہ جات کو بالحصر پیش نہیں کیا گیا۔ دو ایک مقامات کے حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ یہ فہرست پیش خدمت ہے:

نمبر شمار	الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی	حوالہ قرآنی	ترجمہ
1۔	هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ	(59:22)	وہ اللہ جو نہیں کوئی اقتدار و اختیار والا مگر وہی۔
2۔	الرَّحْمٰنُ	(1:3، 59:22)	بے حد مہربان
3۔	الرَّحِيْمُ	(1:3، 59:22)	سدا رحم کرنے والا
4۔	اَلْمَلِكُ	(59:23)	بادشاہِ حقیقی

5۔	الْقُدُّوْسُ	(59:23)	نہایت مقدس
6۔	السَّلٰمُ	(59:23)	سراسر سلامتی والا
7۔	الْمُؤْمِنُ	(59:23)	امن دینے والا
8۔	الْمُهَيْمِنُ	(59:23)	نگہبان
9۔	الْعَزِيْزُ	(59:23)	سب پر غالب
10۔	الْجَبَّارُ	(59:23)	زبردست
11۔	الْمُتَكَبِّرُ	(59:23)	سب بڑائیوں کا مالک
12۔	الْخَالِقُ	(59:24)	تخلیق کا منصوبہ بنانے والا
13۔	الْبَارِئُ	(59:24)	درست کرنے والا
14۔	الْمُصَوِّرُ	(59:24)	صورت گری کرنے والا
15۔	الْوَاحِدُ	(39:4)	ایک ہی۔ اکیلا
16۔	الْقَهَّارُ	(39:4)	زبردست قوت کا مالک
17۔	الْغَفَّارُ	(39:5)	بہت حفاظت دینے والا
18۔	الْوَهَّابُ	(3:8)	بہت زیادہ عطا کرنے والا
19۔	الرَّزَّاقُ	(51:58)	رزق دینے والا
20۔	الْمَتِيْنُ	(51:58)	اپنے طور پر مستحکم اور مضبوط
21۔	الْفَتَّاحُ	(34:26)	سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا
22۔	الْعَلِيْمُ	(34:26)	ہر بات ہمیشہ سے جاننے والا
23۔	الْكَبِيْرُ	(13:9)	ہمیشہ سے بڑا
24۔	الْعَلِيُّ	(2:255)	بلند مرتبہ
25۔	السَّمِيْعُ	(17:1)	سدا سننے والا
26۔	الْبَصِيْرُ	(17:1)	سدا دیکھنے والا
27۔	اللَّطِيْفُ	(6:103)	نہایت باریک بین
28۔	الْخَبِيْرُ	(6:103)	ہمیشہ باخبر

29۔	الْعَظِيْمُ	(2:255)	سدا عظمت والا
30۔	الْغَفُوْرُ	(10:107)	بہت محفوظ رکھنے والا
31۔	الْكَرِيْمُ	(82:6)	ہر قسم کی بھلائی اور شرف والا
32۔	الرَّقِيْبُ	(5:117)	نگران اور حفاظت کرنے والا
33۔	الْحَكِيْمُ	(2:32)	صحیح اندازے اور قانون کے مطابق چلانے والا
34۔	الْوَدُوْدُ	(85:14)	بہت محبت کرنے والا
35۔	الْمَجِيْدُ	(85:15)	بڑی عظمت وشان والا
36۔	الْحَقُّ	(10:32)	سراپا حق
37۔	الْوَكِيْلُ	(3:173)	کارساز و بھروسہ والا
38۔	الْقَوِيُّ	(42:19)	بہت قوی
39۔	الْوَلِيُّ	(42:9)	حامی و مددگار
40۔	الْحَمِيْدُ	(22:64)	نہایت قابلِ تعریف
41۔	اَلْحَيُّ	(2:255)	زندۂ جاوید
42۔	الْقَيُّوْمُ	(2:255)	پوری کائنات کو سنبھالنے والا
43۔	الصَّمَدُ	(112:2)	بے نیاز، سب اس کے محتاج
44۔	الْقَادِرُ	(6:65)	قادرِ مطلق
45۔	الْاَوَّلُ	(57:3)	وہی اوّل
46۔	الْاٰخِرُ	(57:3)	وہی آخر
47۔	الظَّاهِرُ	(57:3)	وہی ظاہر
48۔	الْبَاطِنُ	(57:3)	وہی باطن
49۔	الْمُتَعَالُ	(13:9)	ہر حال میں بالاتر
50۔	التَّوَّابُ	(9:104)	بہت توبہ قبول کرنے والا
51۔	الْبَرُّ	(52:28)	بڑا ہی محسن
52۔	الْغَنِيُّ	(6:133)	احتیاج سے بے نیاز

53۔	اَلْمَوْلٰی	(8:40)	سرپرست وکارساز
54۔	اَلْاَعْلٰی	(87:1)	سب سے بلند۔سب پر غالب
55۔	اَلْاَکْرَمُ	(96:3)	سب سے زیادہ شرف وبھلائی والا
56۔	اَلْوٰرِثُ	(15:23)	سب کا وارث
57۔	اَلْمُسْتَعَانُ	(21:112،12:18)	جس سے مدد طلب کی جائے

ان اسمآء کے علاوہ کچھ اسمآء حالتِ نکرہ میں قرآنِ کریم میں آئے ہیں۔ان مقامات پر اسم کو نکرہ لانا عظمت کے لیے ہے۔ان سے قبل لامِ معرفہ (اَلْ) لگا کر انہیں معرفہ بنایا جاسکتا ہے:

1۔	اَحَدٌ	(112:1)	یکتا، یگانہ
1۔	حَلِیْمٌ	(2:263،2:225)	برداشت کرنے والا
2۔	حَکَمٌ	(6:114)	فیصلہ کرنے والا
3۔	شَکُوْرٌ	(42:23،35:30،34)	بہت قدردان
4۔	شَاکِرٌ	(4:147،2:158)	انسانی کوششوں کے بھرپور نتائج دینے والا۔
5۔	حَفِیْظٌ	(34:21،11:57)	سدا نگہبان
6۔	حٰفِظٌ	(15:9،12:64)	نگہبان
7۔	حَسِیْبٌ	(33:39،4:6،86)	حساب کرنے والا، نگرانی کرنے والا
8۔	مُّجِیْبٌ	(11:61)	جواب دینے والا، قبول کرنے والا
9۔	قَرِیْبٌ	(2:186،11:61)	دور نہیں، نزدیک والا
10۔	وَاسِعٌ	(2:115)	قدرت اور فراخی والا
11۔	مُوسِعٌ	(51:47)	پھیلانے والا
12۔	شَهِیْدٌ	(22:17،6:16)	ہر چیز ہمیشہ اس کے سامنے ہے، نگہبان، فیصلہ کرنیوالا
13۔	مَلِیْكٌ	(54:55)	ہمیشہ سے صاحب ملک
14۔	مُّقْتَدِرٌ	(18:45،54:55)	اقتدار والا
15۔	مُنْتَقِمٌ	(44:16)	برے اعمال کا بدلہ دینے والا
16۔	عَفُوٌّ	(4:48)	غلطی کے مضر اثرات کو مٹانے والا، درگزر کرنیوالا

17۔	رَءُوْفٌ	(9:117)	دفع مضرت کر کے شفقت کرنے والا
18۔	هَادِیٌ	(25:31)	راہنمائی کر کے منزل پر پہنچانے والا
19۔	مُّقِیْتٌ	(4:85)	نگرانی وحفاظت کے ساتھ خوراک کا بندوبست کرنیوالا
20۔	مُحِیْطٌ	(3:120)	گھیرنے والا
21۔	مُنْذِرٌ	(44:3)	آگاہ کرنے والا (خطرات، واجبات سے)

درجِ ذیل ''اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی'' اسمآءِ معرفہ کے مضاف کے طور پر معرفہ متصور ہونگے:

1۔	رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ	(1:2)	سب جہانوں کا نشوونما دینے والا
	رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	(18:14)	آسمان اور زمین کا نشوونما دینے والا
	رَبُّ الْعَرْشِ	(23:116)	عرش کا مالک
	رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	(73:9)	مشرق ومغرب کا نشوونما دینے والا
	رَبُّ الْعِزَّةِ	(37:180)	غلبہ وحفاظت کا نشوونما دینے والا
	رَبُّ هٰذَا الْبَیْتِ	(106:3)	اس گھر (بیت الحرام کا رب)
	رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ	(6:164)	ہر چیز کا نشوونما دینے والا
	رَبُّ النَّاسِ	(114:1)	لوگوں کا رب
2۔	نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	(24:35)	آسمانوں اور زمین کو روشنی دینے والا
3۔	رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ	(40:15)	درجات کا ہمیشہ بلند کرنے والا
4۔	بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	(6:101)	آسمانوں اور زمین کا پہلے پہلے بنانے والا
5۔	فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	(12:101،6:14)	آسمانوں اور زمین کو الگ الگ کرنے والا
6۔	سَرِیْعُ الْحِسَابِ	(24:39،2:202)	حساب کو جلدی کرنے والا
7۔	شَدِیْدُ الْعِقَابِ	(40:3،2:211،2:196)	زبردست نتائج اعمال کا پیچھا کرنے والا
8۔	شَدِیْدُ الْمِحَالِ	(13:13)	سختی سے گرفت کرنے والا
9۔	غَافِرُ الذَّنْبِ	(40:3)	غلط اقدام کے نتائج یا اتہامات سے بچانا والا
10۔	قَابِلُ التَّوْبِ	(40:3)	توبہ قبول کرنے والا
11۔	فَالِقُ الْاِصْبَاحِ	(6:96)	رات کی تاریکیوں کو پھاڑ کر صبح کو نمودار کرنیوالا

	فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى	(6:95)	دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا
12	اِلٰهُ النَّاسِ	(114:3)	سب لوگوں کا اِلٰہ
13۔	مَلِكُ النَّاسِ	(114:2)	سب لوگوں کا بادشاہ
14۔	جَامِعُ النَّاسِ	(3:9)	سب لوگوں کو جمع کرنیوالا
15۔	اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ	(6:62)	بہت جلد حساب لینے والا
16۔	اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ	(12:64،7:151)	سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالا
17۔	اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ	(95:8)	سب حاکموں سے بڑا حاکم
18۔	مٰلِكُ يَوْمِ الدِّيْنِ	(1:3)	جزا کے دن کا مالک
	مٰلِكُ الْمُلْكِ	(3:26)	مالک بادشاہی کا
19۔	مُحْيِ الْمَوْتٰى	(4:39،30:50)	مردوں کو زندہ کرنے والا
20۔	ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ	(55:27)	عظمت وانعام والا
21۔	ذُو الْقُوَّةِ	(51:58)	صاحب قوت
22۔	ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ	(2:105،57:21)	بڑے فضل والا
23۔	ذُو الرَّحْمَةِ	(6:133،18:58)	رحمت والا
24۔	ذُو الْعَرْشِ	(85:15)	عرش والا
25۔	ذُو الطَّوْلِ	(40:3)	صاحبِ قوت واستطاعت
26۔	ذُو الْمَعَارِجِ	(70:3)	بلند مرتبوں والا
27۔	فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ	(85:16،11:107)	جو چاہتا ہے، اسے خوب کرنے والا

اس فہرست میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ یعنی جو باتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کی ہیں، اس فعالیت سے ''اسم'' لایا

رَبٌّ کے معنی ہیں نشوونما دینا۔ کسی چیز کو نئی نئی تبدیلیوں سے اس لئے گزارنا کہ وہ بتدریج نشوونما پائی ہوئی اپنی تکمیل تک پہنچ جائے۔ لفظ رَبٌّ اصل مصدر ہے جو استعارہ کے لئے اسم فاعل استعمال ہوا ہے (امام راغب) معنیٰ ہوگا نشوونما دینے والا۔

اسی طرح ''نُوْرٌ'' بھی مصدر ہے جو آیت (24:35) میں بطور اسم استعمال ہوا ہے جو فاعل کا فائدہ دیتا ہے۔ اس کا معنیٰ روشنی یا سراپا نور نہیں بلکہ ''روشن کرنے والا'' ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا اور بنائیں تاریکیاں اور روشنی (6:2)۔ اللہ تعالیٰ خود نور بمعنی روشنی نہیں بلکہ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے۔ مخلوق کو خالق کے برابر نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ سائنسی تحقیق کے مطابق سورج سے جو برقی اور مقناطیسی لہریں نکلتی ہیں ان میں، گاما ریز ایکس ریز الٹراوائیلٹ زیر کے علاوہ روشنی کی شعاعیں (Visible spectrum) بھی نکلتی ہیں جو 380 تا 780 نانومیٹر فری کوئنسی کے درمیان پائی جاتی ہیں۔ باقی شعاعیں قابلِ بصارت نہیں۔

جائے۔ جیسے:

تدبیر کرنے والا	1۔ اَلْمُدَبِّرُ	(آیت یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ (32:5) یُدَبِّرُ سے اَلْمُدَبِّرُ
باقی رہنے والا	2۔ اَلْبَاقِیْ	(آیت وَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (20:73) کی بنا پر)
غنی کرنے والا	3۔ اَلْمُغْنِیْ	(آیت وَاَنَّہٗ ھُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی (53:48) اور وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی (93:8) سے)
ابتدا کرنے والا	4۔ اَلْمُبْدِئُ	(آیت اِنَّہٗ ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ (85:13) سے)
دہرانے والا	5۔ اَلْمُعِیْدُ	(آیت اِنَّہٗ ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ (85:13) سے)
مارنے والا	6۔ اَلْمُمِیْتُ	(آیت وَاللّٰہُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (3:156) سے)
گن رکھنے والا	7۔ اَلْمُحْصِیْ	(آیت وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ کِتٰبًا (78:29) سے)
تعلیم دینے والا	8۔ اَلْمُعَلِّمُ	آیات اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ (5-96:4) سے)
احسان کرنیوالا	9۔ اَلْمَنَّانُ	(آیت لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (3:164) سے)

قابلِ توجہ:

قرآن کریم میں بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسے الفاظ آئے ہیں جو انسانی اعضاء مثلاً ہاتھ، آنکھ وغیرہ پر دلالت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ محض پیرایۂ بیان ہے جس میں یہ الفاظ استعارۃً آئے ہیں نہ کہ حقیقی معنوں میں مثلاً وَجْہُ اللّٰہِ (2:115)، اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ (3:73)، وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا (11:37) یہاں وَجْہُ سے مراد اس کا رُخ یَدٌ سے مراد قدرت اور اَعْیُنٌ سے مراد نگرانی ہوگا۔

اسی طرح موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو مخاطب ہو کر کہا گیا ہے: لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی (20:46) ''ڈرو نہیں'' میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔'' جب کسی فعل کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دی جاتی ہے تو وہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو انسانوں کے لئے بولے جاتے ہیں لیکن انسان ہر فعل میں اعضاء اور ذریعوں کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ان الفظ میں جو ذریعہ یا اعضاء ہوں، وہ منسوب نہیں ہوتے۔ صرف فعل کی آخری غرض مقصود ہوتی ہے۔ یہاں دیکھنے کے لیے انسان روشنی اور آنکھ کا محتاج ہے اور سننے کے لئے کان اور ہوا کا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لئے دیکھنے اور سننے کے ذرائع مفقود ہونگے اور دیکھنے اور سننے کی اصل غرض مراد ہوگی۔ اور یہی مفہوم ہوگا اس آیت کا کہ:

وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (3:77)

کا جس میں کلام الٰہی کے لیے اور نظر کرنے کے لیے کلام اور نظر کو آلات و ذرائع درکار نہ ہونگے بلکہ ان افعال کی اصل غرض مراد ہوگی۔

ایسے ہی انسان کے قلب پر خاص حالات کے وارد ہونے سے غضب، ناراضگی خوش ہونے یا مذاق اڑانے کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ جب یہ الفاظ غضب، اَلسُّخْط، رضا یا رضوان یا استہزاء وغیرھا، اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہونگے تو اللہ تعالیٰ تو خوشی اور ناراضگی کے ان انسانی جذبات سے مبّرا اور بہت بلند ہے۔ جب اللہ کے لئے غضب کو نسبت ہوگی تو اس کا مطلب وہ ہیجانی کیفیت نہیں ہوگی جو انسان پر غصہ کی حالت میں طاری ہوتی ہے، بلکہ اس سے مراد اس کے قانون کی خلاف ورزی کے فطری نتائج ہیں۔ اسی طرح ''اللہ کی خوشنودی'' کا مطلب اس کے قوانین کے مطابق چلنے کے خوشگوار نتائج ہیں۔ اَللّٰہُ یَسْتَہْزِئُ بِہِمْ (2:15) کا معنی ہوگا کہ اللہ کے استہزاء میں، ہنسا جو ذریعہ تھا، وہ مفقود ہوگا اور ذلیل کرنا یا استہزاء کی سزا دینا، جو اصل غرض تھی، وہ باقی رہ جائے گی۔ اس فرق کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

متفرقات:

1۔ اللہ تعالیٰ کائنات میں ہر جگہ ہے (6:3، 7:7، 57:4، 58:7)

2۔ اللہ تعالیٰ انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں اور اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا رہتا ہے، اس سے واقف ہیں (دل میں گزرنے والے خیالات سے بھی آگاہ ہیں) (50:16)۔

3۔ انسانی آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں (6:103، 56:85)۔

4۔ اللہ کی ہر بات سچی ہے (4:87)۔

5۔ وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا (3:8)۔

6۔ اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوتی (6:115، 9:34، 10:64، 18:27)

7۔ اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی (17:77، 33:62، 35:43، 48:23)

8۔ ہر شے کے خزانے اللہ کے پاس ہیں۔ وہ ان میں سے بقدرِ معلوم (متعین پیمانوں) کے مطابق اسے اُتارتا رہتا ہے (15:21)۔

9۔ وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسے کھانے کو نہیں دیا جاتا (6:14)

10۔ اس کی کوئی بیوی نہیں (6:101) اور نہ بیٹا (72:3)۔

11۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ ہی وہ جنا گیا (112:3)

12۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں (112:4)

13۔ اس کی مثل بھی کوئی نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو کسی مثال سے بھی سمجھا یا نہیں جا سکتا (42:11)

14۔ زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر روشنائی (اس کے بعد سات سمندر اور ہوں) تو اللہ کے کلمات

لکھنے میں یہ ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے (31:27، 18:109)

یہ ہے کچھ وضاحت اس آیۂ کریمہ کی کہ:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۝ (20:8)

ترجمہ: اللہ، اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ اسی کے ہیں اچھے نام۔

دوسری آیۂ مبارکہ جسے شروع میں بیان کیا گیا تھا، اس میں ہے کہ:

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا ۪ (7:180)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے ہیں سب اچھے نام۔ سو اسے پکارو انہی ناموں کے ساتھ۔۔۔

یہ پکارنا کیا ہے؟ قرآن کریم کی رُو سے ''خدا سے دعا'' کے معنیٰ ہیں، خدا کے قانون سے مدد چاہنا یعنی اس کی اطاعت سے اپنی کوششوں کے صحیح نتائج مرتب کرانا۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدد مقامات پر واضح کر دیا ہے:

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ؕ (40:60)

تمہارے نشوونما دینے والے نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دونگا۔

اس کے بعد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝۶۰ (40:60)

یقیناً جو لوگ میری محکومیت اختیار کرنے سے سرکشی برتتے ہیں، وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوتے ہیں۔

آیت کے دونوں حصوں کو ملانے سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ''خدا کو پکارنے'' سے مراد اس کے احکام وقوانین کی محکومیت اختیار کرنا ہے اور خدا کی طرف سے اس پکار کا جواب ملنے سے مراد انسان کی سعی وکاوش کا ثمر بار ہونا ہے۔

دوسرے مقام پر اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِھَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ (32:15)

ترجمہ: ہمارے احکام پر ایمان لانے والے وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے وہ احکام پیش کئے جاتے ہیں تو وہ سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں اور اپنے نشوونما دینے والے (کے پروگرام کو) درخورِ حمد وستائش بنانے کے لئے سرگرمِ عمل رہتے ہیں اور وہ ان احکام سے سرتابی نہیں کرتے۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۪ وَّمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝۱۶ (32:16)

ترجمہ: وہ ان احکام کی تعمیل میں اس طرح سرگرمِ عمل رہتے ہیں کہ نیند تک کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ راتوں کو بھی جاگتے ہیں اور اس طرح اپنے رب کو دفعِ مضرت اور جلبِ منفعت کے لیے پکارتے ہیں۔ کیونکہ انہیں علم ہوتا ہے کہ اُن احکام کی تعمیل

سے کیسے عمدہ نتائج مرتب ہونگے اور ان کی خلاف ورزی سے کس قدر تباہیاں آئیں گی۔ جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہوتا ہے'' وہ اسے (نوعِ انسانی کی بہبود کے لیے) کھلا رکھتے ہیں۔

یہی مفہوم آیات نمبر: 40:65، 42:26، 57-7:55 اور 2:186 کا ہے کہ خدا کے قانون کے مطابق قدم اٹھانا، خدا کو پکارنا یا دعا کرنا ہے اور اس کا خوش گوار نتیجہ مل جانا، دعا کا قبول ہو جانا ہے۔

آیت 7:180 کا دوسرا حصہ ہے:

وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

اور ان کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں ٹیڑھی راہ چلتے ہیں۔ انہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی میں الحاد کی مثالیں کئی ہیں۔ مثلاً حاضر و ناظر کا عقیدہ۔ یہ دونوں الفاظ عربی کے ہیں لیکن ''اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی'' میں شامل نہیں۔ حَضَرَ اور نَظَرَ سے اسم فاعل کے وزن پر ہیں جس کے معنی ہیں کہ پہلے نہ حاضر اور نہ ناظر تھے، اب آ گئے اور دیکھنے لگے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں۔ وہ ہمیشہ سے شہید اور بصیر ہیں۔ اسی طرح اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اس کی بھی کوئی قرآنی حیثیت نہیں۔ صوفیاء کا مشہور فقرہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ایک الحادی نقرہ ہے۔ قرآنِ کریم نے عرفانِ الٰہی کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اللہ پر ایمان کا مطالبہ کیا ہے۔

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی کائنات اور انسانی دنیا میں قدرت کی فعّالیت کے اصول و اقدار کا واضح اظہار ہیں کہ اس کارگاہ میں معاملات و افعال کس طرح سرانجام پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت بذریعہ وحی یہ حقیقت واضح کر دی ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ (18:29)

ترجمہ: فرما دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ اس کرۂ ارض پر بستا انسان قدرت کے کس انداز عمل سے مستفید ہونا چاہتا ہے۔ وہ فیصلہ کر کے اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی میں سے مطلوبہ فعّالیت کو دعوت دے اور اسے اپنے آنگن میں اتارے۔ رحمت چاہتا ہے تو یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ الرحمٰن والرحیم ہیں اور اصولِ رحمت یہ ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (7:156)

رحمت تو اسے بہرحال میسر رہے گی۔ اگر خصوصی رحمتِ خداوندی چاہتا ہے تو تقویٰ شعاری اختیار کرے۔ رحمت اس کی آنگن میں اُترے گی۔

اگر انسان رحمت سے بے نیاز رہنا چاہے اور چاہتا ہے کہ زندگی کی شیرینیاں اس سے چھین جائیں تو اپنی مرضی سے خدائی قانون سے رُوگردانی کر لے اور ظلم کو شعار بنا لے۔ اللہ شدید العقاب کی طرف سے دُکھ کی کیفیت اس کے

آنگن میں اُترے گی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (40:22)

ترجمہ: یہ اس لئے کہ ان کے رسول روشن نشانیاں لیکر آتے، پھر وہ کفر کرتے تو اللہ نے انہیں پکڑا۔ بے شک اللہ زبردست سخت عذاب والا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا پروگرام یہ نہیں کہ انسان عذاب میں مبتلا ہو۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ (4:147)

ترجمہ: اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ۔

کیونکہ وہ اپنے بندوں سے کفر کا سرزد ہونا پسند نہیں کرتا۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ (39:7)

اگر تم ناشکری کرو تو بیشک اللہ بے نیاز ہے تم سے اور اپنے بندوں کی ناشکری اسے پسند نہیں۔ اور اگر شکر کرو تو اسے تمہارے پسند فرماتا ہے۔

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی کا تعلق انسانوں سے یہ ہے کہ اپنے حسبِ حال تبدیلی کے لئے ان اسماء کو دعوت دیں اور اپنی حالت میں حسبِ خواہش تبدیلی لائیں کیونکہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ (13:11)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

کائنات میں جاری وساری غیر متبدل سنت اللہ اور اس کے ''اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی'' کی Appreciation حمد کہلاتی ہے اور ان سے آگاہی کے بعد انسانی رویہ ایک مؤمن کی حیثیت سے یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی پوری صلاحیت خدائی پروگرام کی اطاعت اور مطابقت میں صرف کردے۔ یہی معنٰی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) کے بعد اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (1:4) کہنے کا۔

اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

والسلام

اللہ دتا ایڈووکیٹ

ماہنامہ طلوعِ اسلام کی نئی قیمت

جنوری 2026ء سے ''طلوعِ اسلام'' کا زرِ شرکت درجِ ذیل ہے

اندرون ملک:

فی پرچہ: **100** روپے

سالانہ: **1200** روپے

بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک: **1500** روپے

ہماری کوشش رہتی ہے کہ طلوعِ اسلام کو خوب سے خوب تر کیا جائے جس کا اندازہ آپ کو بھی ہوگا پاکستان میں چھپائی کا سامان روز بروز مہنگا ہونے کی وجہ سے ہمیں دو تین سال بعد مجبوراً زرِ شرکت میں اضافہ کرنا پڑتا ہے تاکہ آمدن اور اخراجات میں توازن پیدا کیا جا سکے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ '' طلوعِ اسلام ''اب آن لائن ہماری ویب سائٹس اور سوشل میڈیا جیسا کہ فیس بک، ٹوئٹر وغیرہ پر بھی فری دستیاب ہوتا ہے۔ دنیا بھر کے قارئین بلا قیمت اِس کو انٹرنیٹ کے ذریعے پڑھتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں آپ کے تعاون کی مزید ضرورت ہے تاکہ یہ سلسلہ خوش اسلوبی سے چلتا رہے۔

اِدارہ طلوع اسلام کے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ نمبر 2، لاہور۔ 54660، (پاکستان)
فون: 042-35714546, 0318-2221851 E-mail: idarati@gmail.com

محمد انوار خان، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام کے پانچ اہم ستون

میں نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اس میں روایتی طور پر رمضان المبارک، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ اور دیگر دینی تہوار نہایت خشوع وخضوع سے منائے جاتے تھے۔ البتہ ماہ محرم الحرام سے لے کر ذوالحجہ تک تمام اسلامی مہینوں میں آنے والی مذہبی رسومات جو کہ ہر مہینے کی نوچندی جمعرات سے شروع ہوتی تھیں اور تسلسل کے ساتھ سات محرم الحرام، دس محرم الحرام، بارہ وفات، گیارہویں شریف، عرفہ کی روٹی، صفرالمظفر میں ابلے ہوئے چنوں کی نیاز، شب معراج اور شب برات تک جاری وساری رہتی تھیں۔ گوکہ والد صاحب دیوبندی عقائد کے علم بردار تھے اور والدہ محترمہ بریلوی مسلک اور نظریات کی حامی تھیں اس قدر شدید مذہبی اختلاف کے باوجود گھر میں اس موضوع پر کبھی کوئی تکرار نہیں ہوتی تھی۔

دیگر مسلم گھرانوں کی طرز پر ہم نے بھی قرآن کریم اپنے ہمسائے میں رہائش پذیر جناب برکت اللہ فاروقی صاحب سے پڑھنا شروع کیا۔ برکت اللہ صاحب کا تعلق آلہ آباد کے ایک تعلیمی گھرانے سے تھا آپ اردو، فارسی اور عربی کے استاد تھے اور نہایت جامع انداز میں تجوید کے ساتھ قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور جہاں ضرورت محسوس ہوتی تو قصص القرآن کے حوالے سے آیات کا مفہوم بھی سمجھاتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

اسلام کے پانچ بنیادی ستونوں کے بارے میں بھی ہم نے ان ہی سے تعلیم حاصل کی۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام کی عظیم الشان عمارت ان ہی پانچ ستونوں پر کھڑی ہے جس کی توثیق کے لیے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل حدیث پیش کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ اول گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور صلوٰۃ قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

(کتاب العلم حدیث نمبر:8)

اب ہم یکے بعد دیگرے اسلام کے ان پانچ بنیادی ستونوں کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں اور قرآن حکیم کی روشنی میں ان کو

سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1۔کلمہ طیبہ

جس شخص نے باہوش وحواس صدق دل سے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو وہ شخص کافر نہیں رہتا بلکہ دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے البتہ جو بچہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہو وہ پیدائشی طور پر مسلمان سمجھا جاتا ہے۔

جبکہ سن بلوغت عطا ہوجانے پر ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝۴۴ (سورۃ المائدہ:44)

دین (یعنی قانونِ خداوندی) کی سرگذشت یہ ہے کہ ہم نے تورات نازل کی (جو اُن مختلف صحف کا مجموعہ ہے جو انبیائے بنی اسرائیل کو وقتاً فوقتاً ملتے رہے)۔ اُس میں (ہر آسمانی کتاب کی طرح) صحیح راستے کی طرف راہ نمائی اور روشنی تھی۔ انبیاء علیہ السلام جو سب کے سب مسلم تھے' (یعنی قانون خداوندی کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے والے) ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ' جو اپنے آپ کو یہودی کہتے تھے (حالانکہ انہیں بھی اپنے آپ کو مسلم ہی کہنا چاہئے تھا) اسی "نور وہدایت" کے مطابق کرتے تھے۔ اور اُن کے علماء ومشائخ بھی انہی صحف کے مطابق احکام دیتے تھے جو اُن کے انبیاء علیہ السلام کی طرف نازل کئے گئے تھے' اور جن کا انہیں (علماء ومشائخ کو) محافظ ٹھیرایا گیا تھا۔ اور وہ ان کے نگران بننے کے مدعی بھی تھے۔ ان سے خاص طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ تمام امور کے فیصلے انہی ضوابط کے مطابق کرو اور لوگوں سے مت ڈرو۔ ڈرو صرف قانون خداوندی کی خلاف ورزی سے۔ اور قانون فروشی کی دکان مت لگا بیٹھو۔ یاد رکھو! جو شخص اس قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتا جسے خدا نے نازل کیا ہے' وہ کافر ہے' خواہ وہ زبان سے اس قانون پر ایمان رکھنے کا مدعی بھی کیوں نہ ہو۔ کافر ومومن کی تمیز ہی اس سے ہوتی ہے لہٰذا مندرجہ بالا قرآنی آیات کی روشنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو واحدہ لاشریک نا ماننے والے حضرات ہی کافر نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور ان میں درج احکامات کو نا ماننے والے بھی کافر تصور کیے جائیں گے بے شک انہوں نے کلمہ طیبہ بھی پڑھ لیا ہو۔ بقول علامہ اقبال ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

چنانچہ ہماری حتّی الوُسع کوشش یہ ہونی چاہیے کہ کلمہ طیبہ میں درج الفاظ پر غور وفکر کریں کلمہ طیبہ تو شروع سے

آخر تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی بزرگی اور کبریائی بیان کرتا ہے اور تمام غیر خداؤں کی نفی کرتا ہے غور طلب بات یہ ہے کہ کیا واقعی ہم خدا بزرگ و برتر پر غیر متزلزل ایمان بھی رکھتے ہیں یا صرف کلمہ گو مسلمان ہیں اور اپنی جائز و ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنے ہی جیسے زندہ اور مردہ انسانوں کے در پر ماتھا ٹیک دیتے ہیں۔

بقول اقبال:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

لہٰذا قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھیں اور احکامات الٰہی پر عمل پیرا ہوں تاکہ دنیا اور آخرت کی کامیابی ہمارے قدم چومے۔

2۔نماز

نماز کی ادائیگی کے لیے اذان کا اہتمام کیا جاتا ہے اگر ہم اذان میں ادا کئے جانے والے الفاظ پر غور کریں تو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ابتدائی کلمات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی بیان کی جا رہی ہے بعد ازاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دی جاتی ہے جبکہ اذان کے درمیان میں آنے والے الفاظ خصوصی توجہ کے مستحق ہیں یعنی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح اذان کے اختتام میں ایک مرتبہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔

ویسے تو بنیادی طور پر نماز فارسی زبان کا لفظ ہے عربی زبان میں اس مقصد کے لیے لفظ صلوٰۃ کا استعمال کیا جاتا ہے جس کا احاطہ صرف نماز سے نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ ہم سب عربی زبان کی فصاحت و بلاغت سے بخوبی واقف ہیں لہذا یہاں صلوٰۃ سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہونا ہے بشمول نماز کی ادائیگی کے اور جہاں تک تعلق ہے فلاح کا اس کے لیے رکوع اور سجود جو کہ اقرار ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کبریائی کا اور سجدہ شکر ہے بندگی کا اور غلامی کا کہ اس ذات باصفات نے ہمیں دین اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ البتہ فلاح کے عظیم پہلو کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل عوامل پر عمل پیرا ہونا نہایت ضروری ہے بصورت دیگر حقیقی فلاح کا تصور نکھر کر سامنے نہیں آ سکتا۔

نماز کی باقاعدہ ادائیگی کا آغاز مسجد نبوی سے ہوا۔ اس وقت مسجد نبوی کی حیثیت نماز کی ادائیگی کے علاوہ مدرسہ، اسکول، یونیورسٹی، تربیت گاہ، ہسپتال، جنگ اور غزوات کی تیاری کے ساتھ ساتھ عدالتی کارروائی کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی۔ مسجد نبوی سے ہی ساری دنیا کے لیے وحی الٰہی کے فرامین جاری ہوتے تھے مسجد نبوی کے اطراف میں بسنے والے تمام افراد اور گھرانوں کا احوال سنا جاتا تھا کہ کس فرد یا گھرانے کو کس شئے کی ضرورت ہے وہ بھی اس ہی پلیٹ فارم سے ان کو فراہم کی جاتی تھی۔ مگر بدقسمتی سے آج ایک کلومیٹر کے ریڈیس میں بیسیوں مساجد

موجود ہیں لیکن فرقہ واریت کے ہاتھوں یہ مجبور مساجد اپنے گردوپیش کے حالات سے بلکل بے خبر ہیں۔ بغل میں مسجد ہونے کے باوجود متعدد مسلمان نماز کی ادائیگی کے لیے دور دراز واقع مسجد کا تعین کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے مسلک اور فرقے کی نسبت سے نماز کی ادائیگی کرسکیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فرقہ پرستی کے خاتمے کے لیے مسجد ضرار کو منہدم کرنے کا حکم جاری فرمایا۔

لہٰذا دور حاضر میں متعدد مسالک اور فرقوں کی موجودگی کے باعث مساجد اور ان میں ادا ہونے والی پنج وقتہ نمازوں کا اسلامی معاشرے میں فلاح کے حوالے سے کوئی مثبت پہلو وقوع پذیر ہوتا دکھائی نہیں دیتا ماسوائے چند مساجد کے شاید یہی ہماری اجتماعی تنزلی اور ناکامی کی ایک اہم وجہ ہے۔

3۔ روزہ

حکم خداوندی کے مطابق ماہ رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کا بڑا واضح موقف ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۳﴾ (سورۃ البقرہ:183)

لہٰذا میدان جنگ میں ثبات و استقامت کا سوال ہو یا معاشرتی اور معاشی دنیا میں نظامِ عدل و مساوات کا قیام یہ صرف اُسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہیں اپنے آپ پر ضبط ہو۔ یعنی جب کبھی ایسا ہو کہ تمہارے کسی طبیعی (حیوانی) تقاضہ اور بلند انسانی قدر میں ٹکراؤ ہو، تو تم اس قدر کو طبیعی تقاضہ پر ترجیح دو۔ نیز تم جفاکشی اور تکلیف طلبی کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو جاؤ۔ اِس مقصد کے لئے تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلی اقوام پر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے کے قابل ہوسکو، اور زندگی کے سفر میں راستے کے خطرات سے محفوظ رہو۔

البتہ ایک اور آیت میں بیماروں اور مسافروں کو روزے کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ (سورۃ البقرہ:184)

یہ روزے گنتی کے دنوں کے ہیں (گنتی کا تعین بجائے خویش ڈسپلن پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے)۔ پھر جو کوئی تم میں سے مریض ہو، یا سفر میں ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں اِس گنتی کو پورا کر لے۔ لیکن اگر شکل یہ ہو کہ ایک شخص نہ تو بیمار ہے اور نہ ہی حالت سفر میں ہے، لیکن اُس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ روزے کو بہ مشقت نباہ ہوسکتا ہے (تو

اُس کے لئے دوسرے اوقات میں روزے پورے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔ اسے چاہئے کہ روزے کے عوض، کسی حاجتمند کی روٹی کا انتظام کر دے۔ (اس سے، کم از کم، معذور اشخاص کا قلبی تعلق، اِس اجتماعی فریضہ کے ساتھ قائم رہے گا۔)

یہ ظاہر ہے کہ اس بات کا فیصلہ قانونی طور پر نہیں کیا جا سکتا کہ تم روزہ بہ مشقت نباہ سکتے ہو۔ یہ چیز تمہارے اپنے فیصلہ کرنے کی ہے۔ لہٰذا اپنی حالت کا جائزہ تم خود لو۔ اگر تم دیکھو کہ صورت بین بین ہے، تو پھر تمہارے لئے روزہ رکھنا بہتر ہے، خواہ اِس میں (مقابلتاً) تھوڑی سی مشقت بھی کیوں نہ ہو۔ اِس لئے کہ جو مقصد روزے سے حاصل ہو سکتا ہے وہ اُس کے فدیہ سے نہیں ہو سکتا۔۔۔ بشرطیکہ تم روزے کی حکمت سے واقف ہو۔

روزوں کا بنیادی مقصد تقویٰ کا حصول ہے لیکن تفصیلات میں جائے بغیر معذرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تقوی نام کی شئے رمضان المبارک کے آغاز سے لے کر اختتام تک ہمیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

ملک عزیز میں بسنے والے غریب بے چارے تو سارا سال ہی روزے کی حالت میں ہوتے ہیں حقیقت پسندانہ نکتہ نگاہ سے دیکھا جائے تو با آسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ماہ رمضان میں ایک غریب آدمی مہنگائی کے ہاتھوں کس طرح پس کر رکھ جاتا ہے اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں افطار کے وقت پھل فروٹ کی خریداری تو ایک عام متوسط گھرانے کے بس کا روگ بھی نہیں رہی کجا کہ ایک غریب گھرانہ۔ البتہ متعدد غیر اسلامی ممالک ماہ رمضان المبارک میں خریداروں کو اشیاء خورد و نوش پر خصوصی رعایت بہم پہنچاتے ہیں۔

جبکہ دوسری جانب ہمارے معاشرے کے وہ افراد ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی انعام بے لہذا وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے ان کے ہاں بڑی باقاعدگی سے سحر و افطار میں دنیا کی ہر نعمت دسترخوان پر سجی ہوتی ہے۔ اور حتی الاوسع کوشش کی جاتی ہے کہ روزہ رکھنے کے باعث جو بھوک اور پیاس محسوس ہوتی ہے اس کا ہر ممکن سد باب کیا جا سکے۔ چنانچہ ان حالات میں تقویٰ کا تصور تو ویسے ہی دھندلا جاتا ہے کیونکہ جب آپ کو غریب کی بھوک اور پیاس کا احساس ہی نا ہو تو ایسے میں تقویٰ اور ثواب کے کیا معنی رہ جاتے ہیں۔ ان باحیثیت گھرانوں میں باقاعدگی سے بچوں اور بڑوں کو وہ متوازن غذا فراہم کی جاتی ہے جس سے سحر سے لے کر افطار تک بھوک کا احساس بھی نا ہو تو ایسے میں معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگ جو تقریباً سارا سال ہی روزے کی حالت میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں وہ کہاں جائیں گے۔ لہٰذا جب غریب کی بھوک و پیاس کا احساس ہی مٹ جائے تو روزے سے حاصل ہونے والے روشن پہلو بھی دھندلا جاتے ہیں۔ چنانچہ غیر متبدل اور ناگفتہ بہ نتائج ہر سال ہمارے سامنے آتے ہیں اور بنا کسی مثبت تبدیلی کے گزر جاتے ہیں۔

3۔ زکوٰۃ:

زکوٰۃ کی ادائیگی صرف صاحب نصاب حضرات پر عائد کی گئی ہے۔ جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ معاشرے کے پسماندہ افراد کی اس طرح سے امداد کی جائے کہ آئندہ آنے والے سالوں میں وہ شخص خود صاحب نصاب ہو جائے اور اپنے جیسے دیگر افراد کی مدد کر کے پورے معاشرے کے لیے تبدیلی کا باعث بنے تا کہ رفتہ رفتہ غربت کا خاتمہ ہو اور باہمی رواداری کا دور دورا ہو جیسا کہ حکمِ الٰہی بھی ہے۔

قرآن کریم میں وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (سورۃ النور: 57) کے الفاظ بار بار آئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی نظام کے یہی دو اہم ترین ستون ہیں۔ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سے مراد ہے ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا جس میں افراد معاشرہ قوانین خداوندی کا اتباع کرتے ہیں، اور اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کا معاشرہ قائم کرنے سے مقصود کیا ہے؟ مقصود ہے ''ایتائے زکوٰۃ'' ایتاء کے معنی ہیں دینا اور زکوٰۃ کے معنی ہیں نشوونما یعنی نوع انسان کی نشوونما (Growth) یا (Development) کا سامان بہم پہنچانا۔ اس ''نشوونما'' میں انسان کی طبعی زندگی کی پرورش اور اس کی ذات کی نشوونما، دونوں شامل ہیں۔ یہ (جماعت مومنین) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں زمین میں اقتدار حاصل ہوگا تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں گے"۔ یعنی اسلامی مملکت کا فریضہ ''ایتائے زکوٰۃ'' ہوگا۔ یعنی دوسروں کو نشوونما دینا۔ تمام افراد معاشرہ اور دیگر نوع انسان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا۔ اسی کے متعلق دوسرے مقام پر ہے کہ مومن وہ ہیں هُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۝ (سورۃ المومنون: 4) جو زکوٰۃ (یعنی نوع انسان کی نشوونما) کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ البتہ جو ہمارے ہاں اڑھائی فیصد زکوٰۃ نکالی جاتی ہے قرآن کریم میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ صدقہ اور زکوٰۃ کی رقم لینے والا کوئی نہیں تھا۔ تو سوال پیدا ہوا کہ اب اس جمع شدہ رقم کا وہ کیا کریں۔ لہٰذا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھ بھیجا کہ غلاموں کو خرید کر آزاد کرو۔ شاہراہوں پر مسافروں کے لئے آرام گاہیں تعمیر کرو، ان نوجوان مردوں اور عورتوں کی مالی امداد کرو، جن کا نکاح نہیں ہوا ہے۔ خلیفہ نے خصوصی طور پر اس کام کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا تھا جو شہر کی گلیوں میں اعلان کرتا تھا ''کہاں ہیں مقروض لوگ، جو اپنا قرض ادا نہیں کر سکتے، کہاں ہیں وہ لوگ، جو نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ کہاں ہیں محتاج اور حاجت مند، کہاں ہیں یتیم اور بے سہارا لوگ'' تو کوئی جواب موصول نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح معاشرے میں تمام لوگ مالدار ہو گئے تھے، غربت اور مفلسی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

البتہ مروجہ قوانین کے مطابق اڑھائی فیصد زکوٰۃ کی کٹوتی سے تا حال ہمیں اپنے معاشرے میں مثبت پہلو نمایاں طور پر دکھائی نہیں دیتے نا سرکاری سطح پر اور نا ہی عوامی سطح پر جیسا کہ آسمان دنیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں دیکھ

چکی ہے۔ اگر ہمارے حکمران چاہیں تو آج بھی دور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بنائے ہوئے اصولوں پر کار فرما ہو کر معاشرے کے بگڑے ہوئے خدوخال کو درست کر سکتے ہیں۔

5۔ حج:

آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور باپ بیٹے کو کعبۃ کی تعمیر کا حکم دیا اور سارے عالم میں منادی فرما دی کہ رہتی دنیا تک خدا کے نام لیوا اپنے تمام تر مسائل کے حل کے لیے ہر سال اس گھر میں حاضر ہوں گے اور ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے عمرہ کی ادائیگی کے ذریعے امت کو درپیش مسائل کا حل تجویز کریں گے۔ حاضرین کے لیے خصوصی ھدایت کی گئی تھی کہ تمام مسلم حکمرانوں کا لباس کفن کی دو چادریں ہوگا تاکہ کسی کے لباس سے اس کا طرزِ زندگی عیاں نا ہونا کوئی اعلیٰ دکھائی دے اور نا کوئی ادنیٰ کیونکہ جب یہ سارے مل کر طواف کعبہ ادا کریں گے اور سجدے کی حالت میں اپنی پیشانی خدا واحد کی چوکھٹ پر رکھیں گے تو ان کا مطلوب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ کی حاکمیت اور وحدانیت ہوگا جبکہ امت کے ایک ایک فرد کی دادرسی ان منتخب حکمرانوں کے ذریعے عمل میں لائی جائے گی۔

اقبال کا کیا خوبصورت انداز بیان ہے فرماتے ہیں:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

حج بیت اللہ صاحب استطاعت حضرات پر سال میں ایک مرتبہ فرض کیا گیا ہے۔ البتہ حج بیت اللہ کے علاوہ معمار کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لازوال سنتیں قرآن کریم میں ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہیں ہمیں ان کی جانب بھی توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ جانے انجانے میں اکثر ہم بھی آل اِبراھیم کی طرز پر شرک جیسے قبیح اعمال کا حصہ بن جاتے ہیں اس سے گریز کریں جگہ جگہ شرک کی دکانیں اور کارخانے کھلے ہوئے ہیں ان سے بچیں۔ حتی الوسع کوشش کریں کہ جس کام کو ہم اور آپ نیکی سمجھ کر سرانجام دے رہے ہیں وہ کسی خاص دن اور خاص مہینے تک محدود نا رہیں بلکہ اس وقت تک جاری وساری رہیں جب تک کہ وہ مخصوص فرد یا افراد اپنے پیروں پہ خود کھڑے نا ہو جائیں۔ دراصل یہی تو مطلوب مومن ہے اور یہی دین کا تقاضا بھی ہے۔ بصورت دیگر سینکڑوں سال سے تواتر کے ساتھ حج بیت اللہ کی ادائیگی کے باوجود اس کے خاطر خواہ نتائج اور مثبت پہلو ہمیں اپنے معاشرے میں خال خال ہی دکھائی دیتے ہیں۔ اگر حج کی ادائیگی میں خصوصی طور پر اسلامی ممالک کے حکمرانوں کی شرکت لازمی ہوتی تو یقیناً امت مسلمہ آج دنیا بھر میں سپر پاور کے طور پر اپنا لوہا منواتی جیسا کہ آسمان دنیا حضرت عمر فاروق کے عظیم دور میں دیکھ چکی ہے جب بائیس لاکھ مربع میل پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا اور ہر شخص کو انصاف اس کی دہلیز پر فراہم کیا جاتا تھا۔

مندرجہ بالا اسلام کے پانچ اہم ستونوں کا ہم نے تفصیلی جائزہ لے لیا اور ان کو قرآن حکیم کی روشنی میں سمجھنے کی سعی بھی کر لی۔ کاش ان پانچ اسلام کے اہم ستونوں میں قرآن مجید بھی شامل ہوتا اور نمبر ایک پر ہوتا تو شاید ہم مسلمان بھی دنیا بھر میں نمبر ایک امت ہوتے کیونکہ قرآن کریم میں زندگی گزارنے کے صرف پانچ اصول نہیں بتائے گئے بلکہ تا قیامت انسانیت کی بھلائی کا پورا ضابطہ حیات اس میں موجود ہے۔ قرآن حکیم میں تقریباً سو سے زائد مقامات ایسے ہیں جن کو آیات محکمات کہا جاتا ہے جبکہ اس بات پر ہمارا غیر متزلزل ایمان بھی ہے کہ ہمیں بحیثیت مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے اپنی پیشانی کو جھکانا ہے اور ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ جیسا کہ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن حکیم اللہ تبارک وتعالیٰ کا آخری صحیفہ ہے اس میں قیامت تک آنے والے تمام مسائل کا حل موجود ہے یہ حل صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو جو کہ وحی الٰہی کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور اس میں تحریر ایک ایک لفظ کی حفاظت خود خدا نے اپنے ذمے لے رکھی ہے چنانچہ اس قرآن عظیم کو عین اسی طرح پڑھا اور سمجھا جائے جس طرح ھادی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاکیزہ عمل سے ہمیں کر کے دکھایا تھا اور اس دنیا کو جس کے ہم باسی ہیں جنت الفردوس کا ایک خوبصورت نمونہ بنا کر ساری دنیا کو دکھایا تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰی وَمَنۡ هُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۸۵﴾ (سورۃ القصص:85)

یہ ہیں ہمارے وہ غیر متبدل قوانین جو شروع سے اِسی طرح چلے آ رہے ہیں اور جنہیں اب' اس قرآن میں' وضاحت سے بیان کر کے' ان کا اتباع تم پر لازم قرار دیا گیا ہے۔

ان قوانین کے پیش نظر تمہیں' اے رسول! اس سے گھبرانا نہیں چاہئے کہ قریش کے فرعونوں اور قارونوں نے تمہیں اور تمہاری جماعت کو اس قدر تنگ کیا ہے کہ تم حرمِ کعبہ تک کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہو۔ جس خدا کے قوانین ایسے محکم ہیں۔ وہ تمہیں پھر اس مقام پر واپس لائے گا (اور نہایت شان وشوکت سے لائے گا۔ لہٰذا' تم خود بھی اطمنان اور سکون سے رہو اور اپنی جماعت کی بھی تسکین خاطر کرو' اور ان سے کہو کہ) میرے نشوونما دینے والے کا قانونِ مکافات خوب جانتا ہے کہ کون زندگی کی صحیح رَوش پر چل رہا ہے اور کون غلط راستے پر جا رہا ہے۔ (نتائج' آخر الامر' اُسی کے مطابق مرتب ہوں گے)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ امت مسلمہ کو اور بالخصوص ملک عزیز میں بسنے والے چوبیس پچیس کروڑ مسلمانوں کو قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے اور اس میں درج احکامات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہوچکی ہے۔ یہ جلدیں 20X30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	ہدیہ
سورۃ الفاتحہ	(1)	240	200/-
سورۃ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-
سورۃ البقرہ (اوّل)	(2)	500	400/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-
سورہ آل عمران (اوّل)	(3)	472	500/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	500/-
سورۃ الانعام	(6)	600	600/-
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480	500/-
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400	500/-
سورۃ الانفال	(8)	210	250/-
سورۂ توبہ	(9)	530	550/-
سورۂ یونس	(10)	360	400/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-
سورۂ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-14-15)	500	500/-

سورۃ النحل	(16)	334	300/-
سورۃ بنی اسرائیل	(17)	396	400/-
سورۃ الکہف، سورۃ مریم	(18-19)	532	500/-
سورۃ طٰہٰ	(20)	416	350/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ العنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ روم، لقمان، السجدہ	(30-31-32)	444	400/-
سورۃ الاحزاب، سبا، فاطر	(33-34-35)	570	400/-
سورۃ یٰسٓ	(36)	164	150/-
سورۃ الصفٰت، ص، زمر	(37-38-39)	450	400/-
سورۃ مومن حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40-41-42)	624	550/-
سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45-46-47)	520	500/-
سورۃ الفتح، الحجرات، قٓ، الذاریات، الطور، النجم	(48-49--51-50-52-53)	550	500/-
سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55-56-57)	384	400/-
28واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	-64-65-66) (58-59-60-61-62-63	300	300/-
29واں پارہ (مکمل)		544	400/-
30واں پارہ (مکمل)		624	400/-
شرح جاوید نامہ		800	1200/-
فہرست موضوعات مطالب القرآن فی دروس الفرقان		800	1000/-

جمیلہ خاتون پالوی، بھارت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(قسط نمبر:2)

خواتین کا صفحہ

عورت اور قرآن

''مشرق'' عنقریب ہی ایک نئی کروٹ لینے والا ہے اور اس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور مسلمانوں میں ''عورت'' کی تعداد زیادہ ہے۔ نیز دنیا ہر لمحہ، ترقی کے زینے طے کر رہی ہے۔ ملوکیتؔ، پیشوائیتؔ، سرمایہ پرستیؔ، نسلی امتیازاتؔ، طبقاتی تقسیم اور جغرافیائی امتیازات کی بندشیں ٹوٹ رہی ہیں اس لئے لامحالہ مسلمان عورتوں کے سامنے بھی بہت سے مسائل آئیں گے اور انہیں اپنے ان حقوق کے لئے، قرار واقعی جاننے اور حاصل کرنے کی سعی وکوشش کرنا ہوگی، جو انہیں ''قرآن مجید'' نے عطا کئے ہیں۔ چنانچہ اس کی داغ بیل پڑ بھی گئی ہے۔ 1948ء میں مصر میں ''بنت النیل'' کے نام سے اور 1951ء میں ''بنت الپاکستان'' کے عنوان سے پاکستان میں انجمنیں قائم ہو چکی ہیں اور تحریکیں چل رہی ہیں۔ ان انجمنوں کے اغراض ومقاصد بتائے جو بھی جائیں، مگر مدعا یہ ہے کہ ''مسلمان عورت'' پر جو مختلف قسم کی غیر انسانی اور غیر قرآنی پابندیاں اور قید وبند لگا رکھی گئی ہیں اُن کو مطلقاً توڑ دیا جائے۔ بالفاظ دیگر کوشش یہ ہے کہ ''مردوں'' کے ناروا مظالم سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ یہ ردعمل ہے اس کا کہ اگرچہ ''اسلام'' یا ''قرآن مجید'' نے اپنے امتیازی نصب العین اور خصوصی نظام کے پیش نظر ہیئت اجتماعیہ میں، باستثناء چند ''مرد'' و ''عورت'' دونوں کو مساوی حقوق دیئے، مگر وہ حقوق قرار واقعی ''عورت'' کو ملے نہیں۔ یا یوں کہیے کہ بُری طرح غصب کر لئے گئے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی سکریٹری جمعیۃ علماء ہند نے اپنی کتاب ''اخلاق اور فلسفۂ اخلاق'' کے صفحہ 322 پر، جو 1940ء میں شائع ہوئی تھی اعتراف کیا ہے کہ:

> ''اسلام نے معدودے چند مسائل کے علاوہ اگرچہ ''عورت'' کو تمام حقوق میں ''مردوں'' کے مساوی رکھا ہے مثلاً تعلیم کا حق دونوں کے لئے برابر ہے۔ اپنی مملوکہ اشیاء میں قانونی تصرفات کا مردوں ہی کی طرح پورا حق عطا کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر عملاً ان حقوق سے ''عورت'' پوری طرح فائدہ نہیں اٹھا رہی ہے۔ اس لئے کہ ان کے اموال کی ذمہ داری یا تو کسی قریبی عزیز کے سر ہوتی ہے اور یا کوئی وکیل ان کی طرف سے تصرف کا مختار ہوتا ہے اور عورتیں براہ راست ان معاملات میں بے دخل رہتی ہیں۔ اس طرح نکاح تک

کے معاملے میں صرف والدین ہی مجاز کل ہیں اور اُن کی اپنی رائے کی قطعاً پرسش و پروا نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ان کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ ہونے والے شوہر کو ایک نظر دیکھ ہی لیں۔ اور ولی اگر اُن سے کسی قسم کا مشورہ بھی کرتا ہے تو وہ محض ایک رسمی صورت میں اور بس۔ نیز اُن کو ایک لمحہ کے لئے اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ معمولی حیوان کی طرح کھلی ہوا سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اپنی اولاد کے ساتھ باغات کی سیر کر سکیں اور اپنے شوہروں کے دوش بدوش تفریح گاہوں میں تفریح کر سکیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ان امور کی جرأت کر بیٹھے تو گویا اُس نے خود کو طعنوں اور ملامتوں کے لئے پیش کر دیا۔ مصر تک میں بہت کم لڑکیاں یونیورسٹی میں علم حاصل کرتی ہیں۔ اور اُن کی تعداد کے اعتبار سے ثانوی مدارس میں بھی کم ہی پائی جاتی ہیں اور ابھی تک انہوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ اُن کے حقوق ''غصب'' کر لئے گئے ہیں، تاکہ وہ مطالبہ کرنے پر آمادہ ہوں۔''

مولانا موصوف کا یہ بھی فرمانا ہے کہ:

''بیشک اسلام، نہ اس ''افراط'' کی اجازت دیتا ہے جو آزادیٔ حقوق کے نام سے مغرب، اور مغرب زدہ ملکوں میں عملاً پائی جاتی ہے اور جہاں ''عورت'' کی ''جنسی مساوات'' کے ساتھ ساتھ ''صنفی مساوات'' کو بھی تسلیم کر لیا گیا ۔۔۔ اور نہ وہ اس ''تفریط'' کا قائل ہے جس کی بدولت جہالت کے ہاتھوں ''عورت'' کے ساتھ ایک ''باندی''، ''مملوکہ'' یا ''حیوان'' کا سا سلوک کیا جائے۔'' (صفحہ:336)

بلاشبہ وہ دور گزر گیا جب مرد ''عورت'' کو ایک جانور سمجھتے تھے۔ اب ''عورت'' کو ہوش آ گیا ہے کہ وہ بھی ''انسان'' ہے۔ لہٰذا ''مرد'' کو بقول نیاز فتح پوری:

اب تاریخ کو صرف اس لئے نہ پڑھنا چاہئے کہ وہ مرد کی تاریخ ہے۔ تمدن کا مطالعہ صرف اس لئے نہ کرنا چاہئے کہ وہ مرد کے قوائے دماغی کا نتیجہ ہے بلکہ اب تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھ کر کرنا چاہئے کہ تمام اعمال انسانی میں ''عورت'' بھی پوری پوری حصہ دار ہے۔ ''تہذیب جدید'' نے ''عورت'' کو علمی و عملی میدان میں بھی ''مرد'' کے دوش بدوش کام کرنے کا اہل ثابت کر دیا ہے۔ اور آج کل یورپ کی معاشرت اس کی شہادت میں پیش کی جا سکتی ہے۔ لیکن چونکہ اسی کے ساتھ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ اخلاقی نقطۂ نظر سے ''عورت'' کی حالت گر گئی ہے، اسی بنا پر بعض کا خیال ہے کہ ''عورت'' کے لئے تعلیم جدید یا اس کی آزادی مفید نہیں ہو سکتی، مگر ایسا خیال کرنا حقیقتاً واقعات سے غلط نتیجہ اخذ کرنا ہے کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ ''عورت'' کی تربیت کی طرف کبھی

بھی صحیح اعتنا نہیں کیا گیا اور اس کا وہ اخلاقی زوال جو ازمنۂ قدیمہ سے شروع ہوا تھا اب بھی بدستور جاری ہے۔'' (صحابیات، ص:10)

حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

قصور ''زن'' کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں گواہ اُس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور کہ ''مرد'' سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

مگر ''عورت'' کو بھی عقل سے کام لینا ہوگا۔ ہم عورتیں بظاہر آزادی کے سارے مراحل، حسب خواہش طے بھی کرلیں تو ہماری اسیری بہ باطن دور نہیں ہوسکتی ہم کامل آزاد ہو کے بھی قوانینِ الٰہیہ کے پیش نظر فطری طور پر ''مرد'' کے تعلق وتسلط سے آزاد نہیں ہو سکتے کیونکہ ہماری جبلی کمزوری کچھ سہارا چاہتی ہے۔ ہمارے رنگ کی شوخی کپڑے کی محتاج ہے۔ ہماری شمع جب ہی اطمینان سے جل سکتی ہے جب فانوس ہمارا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ یہی فطرت کا تقاضا ہے ؎

بظاہر بوئے گل کو باغ میں حاصل ہے آزادی مگر موج ہوا میں وہ اسیرِ دام ہوتی ہے
(الم مظفرنگری)

میرا خیال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں مصر کی مشہور تنظیم ''الاخوان المسلمون'' کے روشن ضمیر لیڈر شیخ حسن الحدیبی ۔۔۔ نے بہت عمدہ خیال ظاہر کیا ہے۔ جب اُن سے دریافت کیا گیا کہ:

''آپ زندگی کے تمام دوائر میں عورتوں کی شرکت کے روادار ہیں یا نہیں؟'' تو انہوں نے جواب دیا کہ:

''اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں کام کرنے کا حق مردوں اور عورتوں کو مساوی طور پر عطا کیا ہے، اگرچہ عورتوں کا فطری دائرہ عمل خانہ داری اور پرورش وتربیت اطفال ہی ہے لیکن اگر عورتیں اپنے اس بنیادی کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے بعد اتنی فرصت واستطاعت اور اہلیت رکھتی ہوں کہ زندگی کے دوسرے دوائر میں مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کرسکیں تو اسلام ان کو ہرگز منع نہیں کرتا۔ چنانچہ میری دو لڑکیوں نے ڈاکٹری اور نرسنگ کی باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل کی تھی اب شادیاں ہوجانے کے بعد وہ اپنے گھروں کے اندرونی وظائف کو بھی بہ حُسن وخوبی انجام دے رہی ہیں اور ڈاکٹری اور نرسنگ میں بھی ملک کی خدمت بجالا رہی ہیں۔''

''الاخوان المسلمین'' کے امام کا عورتوں کے حقوق وفرائض سے متعلق، قطعاً وہی خیال وعقیدہ ہے جو اسلام کی دستوری کتاب ''قرآن'' میں پیش کیا گیا ہے۔

پمفلٹس --- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے

فی پمفلٹ قیمت 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسلام آگے کیوں نہ چلا	قرآن مجید کے خلاف گہری سازش	دوقومی نظریہ
اسلام کیا ہے؟	قربانی	عورت قرآن کے آئینے میں
اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	قیامت موجود	پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
اسلام اور مذہبی رواداری	قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!	کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟
کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟	قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر	تحقیق ربوٰ (مسئلہ سود)
اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟ (مغربی پاکستان ہائیکورٹ کا فیصلہ)	ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟	کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
اسلامی آئیڈیالوجی	ہندو کیا ہے؟	بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (20 روپے علاوہ ڈاک خرچ)	ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ (قرآنی اصطلاحات کی تشریح)	تکذیب دین کون کرتا ہے اور مصلّی کسے کہتے ہیں
اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں	ہماری تاریخ میں کیا ہے؟	روٹی کا مسئلہ
اسلامی قانون سازی کا فریضہ (بال سے باریک تلوار سے تیز)	ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟	جو ہوذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
انسانیت کا آخری سہارا	ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	نماز کی اہمیت
اے کشتۂ سلطانی وملائی وپیری	مقام اقبالؒ	ضبطِ ولادت (خاندانی منصوبہ بندی)
اقبال کا مردِ مومن	مقام محمدی ﷺ	علماء کون ہیں؟
اندھے کی لکڑی	مرزائیت اور طلوع اسلام	فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
آرٹ اور اسلام	ماؤزے تنگ اور قرآن	کافرگری
قرآن کا معاشی نظام	مومن کی زندگی	حرام کی کمائی
قرآن کا سیاسی نظام	جہاں مارکس ناکام رہ گیا	عالمگیر افسانے

عارف کسانہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بچوں کا صفحہ

ہم مسلمان کیوں ہیں؟

پیارے بچو! آپ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ لندن براعظم یورپ کا سب سے بڑا شہر اور برطانیہ کا دارالحکومت ہے۔ یہاں دیکھنے کے لیے بہت سی جگہیں ہیں۔ بچوں کی پسند کی بہت ساری چیزیں ہیں۔ اِسی لندن شہر کے ایک علاقے میں ایک چھوٹی اور پیاری سی بچی علیشاہ اپنے امی، ابو اور دو بہنوں کے ساتھ رہتی ھے۔ تینوں بہنیں آپس میں بہت پیار سے رہتی ہیں۔ علیشاہ سب سے بڑی ہے اور وہ سکول جاتی ہے جبکہ اریبہ اور سب سے چھوٹی عنائیہ گھر میں کھیلتی رہتی ہیں۔ اُن کے گھر کے پاس ہی بچوں کے لیے ایک چھوٹا سا پارک ہے جہاں جھولے اور کھیلنے والی بہت سی دوسری چیزیں بھی ہیں۔ وہ تینوں اپنی امی اور ابو کے ساتھ وہاں جاتی ہیں اور خوب مزے سے کھیلتی ہیں۔

ایک دن اریبہ نے پوچھا امی جان ہم مسلمان کیوں ہیں؟

امی جان نے کہا کہ ہم مسلمان گھر میں پیدا ہوئے ہیں اس لیے ہم مسلمان ہیں۔ اریبہ نے پھر پوچھا کہ مسلمان کون ہوتا ہے اور جو مسلمان نہیں ہوتے ان میں اور مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ اُس کی امی جان نے بتایا کہ زمین، آسمان اور پوری دنیا کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے انسانوں کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے زندگی بسر کرنے کے لیے قوانین اور طریقہ بنایا ہے جسے اسلام کہتے ہیں اب جو بھی انسان اُس کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اُسے مسلمان یا مُسلم کہتے ہیں اور جو اُس کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہوتا۔ زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے وہ قوانین قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اب علیشاہ نے پوچھا کہ امی جان قوانین کا کیا مطلب ہے۔

اب امی جان نے بتانا شروع کیا کہ قانون کی جمع کو قوانین کہتے ہیں۔ قانون کا مطلب ہوتا ہے آئین، اصول اور وہ ضابطے جن کی سب کو پابندی کرنا ہوتی ہے۔ کچھ دن پہلے ہمارے گھر کے نزدیک دو گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئی

تھیں۔تمہیں معلوم ہے ناں۔ جی امی جان وہ جو سرخ اور نیلی گاڑیاں تھیں۔علیشاہ نے جواب دیا۔

ہاں وہی سرخ اور نیلی گاڑیاں اور اللہ کا شکر ہے کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ حادثے کے بعد وہاں پولیس آ گئی تھی۔ پولیس نے سب کچھ دیکھ کر سرخ کار والے کو کہا کہ قصو رتمہارا ہے اور اُس کو جرمانہ بھی کر دیا۔تمہیں معلوم ہے کہ پولیس نے یہ کیسے کہہ دیا کہ قصور سرخ گاڑی والے کا ہے۔ بات صاف تھی کہ سڑک پر چلنے کے لیے قانون موجود ہے اور سڑک کے جس طرف چلنے کی اجازت ہو اسی جانب گاڑی چلائی جا سکتی ہے۔ جو بھی اس کے مخالف گاڑی چلائے گا وہ قانون کی خلاف ورزی کرے گا۔سرخ گاڑی والے نے قانون کے خلاف گاڑی چلا کر جُرم کیا جس کی اُسے سزا ملی جبکہ نیلی گاڑی والا قانون کے مطابق اپنے ہاتھ جا رہا تھا اسی لیے پولیس نے اسے کچھ بھی نہیں کہا۔ یہ قانون انسانوں نے بنایا ہے تا کہ سب اچھے طریقہ سے رہیں اور کسی کو کوئی نقصان یا تکلیف نہ ہو۔

علیشاہ نے پھر پوچھا۔امی جان کیا اللہ تعالیٰ نے بھی کوئی قانون بنائے ہیں ۔

امی جان۔ جی بیٹا اللہ نے بھی قانون بنائے ہیں جن کے خلاف چلنے سے انسان کو بڑا نقصان ہوتا ہے۔

علیشاہ۔امی جان اس کی بھی کوئی مثال بتا دیں۔

امی جان نے بتانا شروع کیا اور کہا کہ تمھیں معلوم ہے نا کہ تمہارے ماموں زاد بھائی ناصر نے آگ میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔جس سے اُس کا ہاتھ بُری طرح جل گیا تھا۔ وہ شدید درد کی وجہ سے چیخ رہا تھا۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر تمہارے ماموں کہہ رہے تھے ۔ اچھا ہوا! اب تمھیں سمجھ آئے گی۔ ہم تمہیں روز سمجھاتے تھے کہ آگ کے ساتھ نہیں کھیلا کرو لیکن تم باز ہی نہیں آتے تھے۔اب تمہارا ہاتھ جل گیا ہے تو آئندہ کے لیے تمہیں نصیحت ہو جائے گی۔ یہ تمہارے اپنے عمل کا نتیجہ ہے جس کی تمہیں سزا ملی ہے۔

کیا تمہیں معلوم ہوا کہ ناصر کو کس بات کی سزا ملی؟ اُسے قانون کے خلاف چلنے کی سزا ملی۔ آگ کی خاصیت ہے کہ جو بھی اس میں ہاتھ ڈالے گا اس کا ہاتھ جل جائے گا۔ اِس کو بھی قانون کہتے ہیں۔ یہ قانون خدا کا بنایا ہوا ہے۔خدا نے اِس طرح کے بہت سے اور قوانین بھی بنائے ہیں جن کے خلاف چلنے سے انسانوں کو بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اِسی لیے ہمیں چاہیے کہ ہم خدا کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق زندگی گزاریں۔ اِسی کو اسلام کہتے ہیں۔

ہم مسلمان ہیں اور جو بھی اللہ نے قرآن مجید میں کہا ہے اُس کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں ۔قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان خود بھی امن اور سلامتی سے رہتا ہے اور دوسرے بھی امن اور سکون سے رہتے ہیں۔ اسی لیے اسلام کے معنی اَمن اور سلامتی کے ہیں۔

علیشاہ نے کہا امی جان آپ کا بہت شکریہ آپ نے مجھے بہت اچھی باتیں بتائی ہیں جو میں اپنے دوستوں کو بھی بتاؤں گی۔

انجینئر سلیم اقبال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مرحلہ وار سلسلہ

پوسٹ نمبر:1

سوات کے شور کے بیچ:

قرآن انسان کی عزت کا معیار یاد دلاتا ہے

قران: انسان کی حرمت مزہب سے پہلے۔

قرآن کسی بھی حال میں انسان کے تقدس کو پامال نہیں ہونے دیتا۔ چاہے وہ اختلاف ہو، الفاظ ہوں، زبان ہو، یا مذہب۔

قرآن کہتا ہے: انسان کی حرمت مذہب سے پہلے ہے

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ (سورۃ بنی اسرائیل:70)

ہم نے انسان کو عزت دی۔

یہاں بنی آدم کہا، نہ مسلم، نہ کافر، صرف انسان۔

قرآن کے نزدیک: انسان کی بے عزتی، تحقیر، گالی، تمسخر، عزتِ نفس کو زخمی کرنا، ہر حال میں حرام ہے۔ مخالف ہو تب بھی۔

اختلاف میں بھی وقار لازمی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا... گالی نہ دو۔

(سورۃ الانعام:108)

یہ آیت کافروں کے بتوں کے بارے میں ہے۔

یعنی قرآن کہہ رہا ہے کہ ان کے نظریے سے سخت اختلاف کے باوجود: تحقیر نہ کرو، عزت نفس مجروح نہ کرو۔

یہاں اصول یہ نکلا:

جس کا خدا غلط ہو، اس کو بھی گالی دینا منع ہے۔

تو پھر انسان کو کیسے؟

دلیل کے ساتھ عزت والا انداز:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (سورۃ النحل:125)

یعنی: حکمت، نرمی، عزت

اگر یہ تین چیزیں نہیں: تو وہ اسلام نہیں، انا ہے۔

قرآن کہتا ہے:

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (سورۃ الحجرات:11)

برے ناموں سے نہ پکارو۔

لیکن ہمارے ہاں اختلاف پر، فوراً: گمراہ، بدعتی، گستاخ، فتنہ، ایجنٹ، خبیث، مرتد بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا جاتا ہے۔

یہ سب قرآن کے صریح خلاف ہے۔

قرآن کا آخری معیار: وقار

جس بھی اختلاف، نظریے، فن، گفتگو یا رد میں:

اگر انسان کی عزت پامال ہو، الفاظ تذلیل بن جائیں، تکبر یا حملہ آجائے، مخاطب کی حرمت گر جائے، تو وہ غیر قرآنی ہے۔ even اگر زبان میں قرآن کی آیتیں بول رہا ہو۔

ایک جملہ:

- قرآن کا اخلاق یہ ہے کہ دلیل سخت ہوسکتی ہے، زبان نہیں۔
- اختلاف گہرا ہوسکتا ہے، لہجہ غیر انسانی نہیں۔
- قرآن ہر حال میں انسان کے وقار کو مقدم رکھتا ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔

اظہارِ لاتعلقی

ادارہ طلوعِ اسلام کی ویب سائٹس اور سوشل میڈیا پیجز اور چینلز کے ایڈریس اور یو آر ایل ماہنامہ طلوعِ اسلام کے پہلے صفحہ اور بیک ٹائٹل پر شائع ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ جتنے بھی فیس بک کے پیجز اور چینلز وغیرہ جن پر پرویز علیہ الرحمہ کا نام، تصویر یا ادارہ طلوعِ اسلام یا قرآن خالص وغیرہ جیسے ملتے جلتے ناموں سے پیجز چل رہے ہیں ان کا ادارہ طلوعِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ادارہ طلوعِ اسلام کے آفیشل لنکس درج ذیل ہیں:

www.toluislam.org
www.facebook.com/IDARATOLUEISLAM1
www.youtube.com/@idaratolueislam
www.instagram.com/idaratolueislam
www.facebook.com/TalueIslam/
www.x.com/talueislam

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرحِ جاوید نامہ شائع ہوگئی!

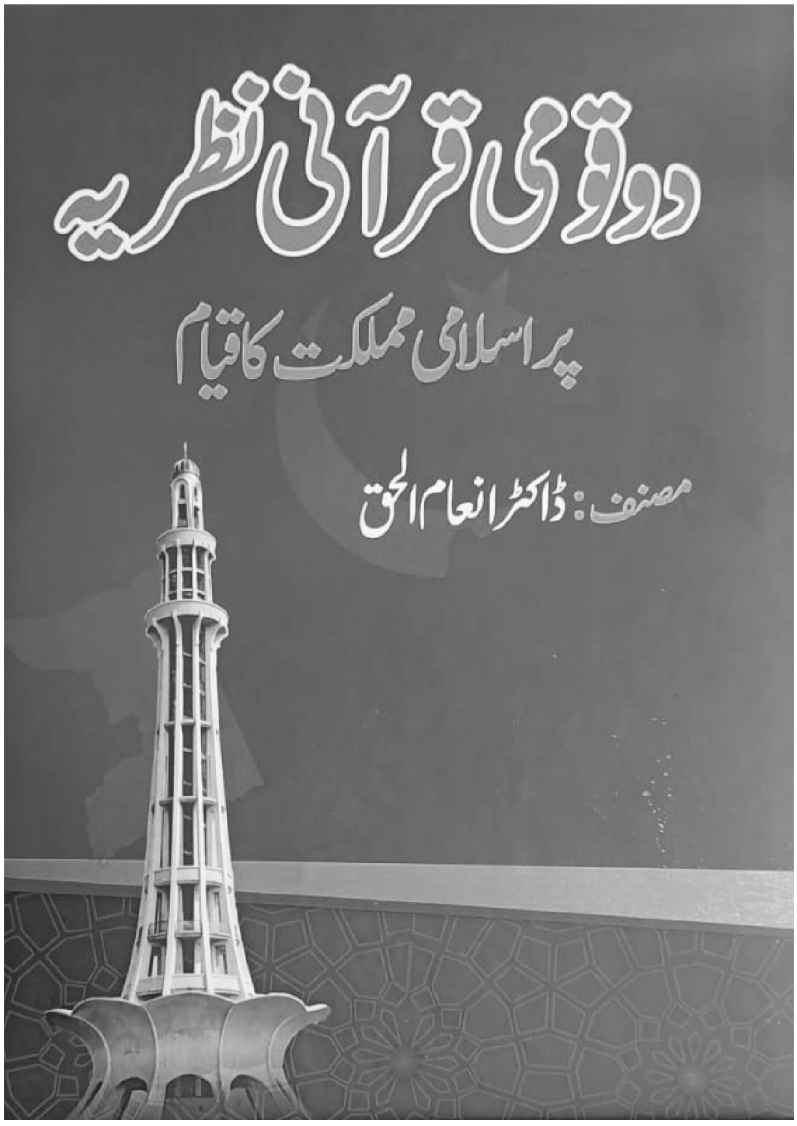
مفکرِ قرآن غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ کے لیکچرز کی تحریر پر مشتمل اپنے انداز کی منفرد شرح جاوید نامہ شائع ہوگئی ہے۔ بڑے سائز کے 800 صفحات پر مشتمل اِس یکتائے روزگار شرح کی قیمت صرف بارہ سو روپے ہے۔ ''جاوید نامہ'' کیا ہے اس کے متعلق پرویز علیہ الرحمتہ کی زبانی خود ملاحظہ فرمائیے:۔

''علامہ اقبالؒ کی فارسی کی کتاب ہے ''جاوید نامہ''۔ اگر آپ نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا' مبالغے کی بات نہیں ہے' یہ ایک کتاب ''جاوید نامہ'' پڑھا دیجئے لیکن اس کے پڑھانے کے لیے ایسے لوگوں کی یا ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو علومِ حاضرہ کے اوپر پوری دسترس رکھتا ہو۔ یہ بڑی جامع کتاب ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اقبالؒ کی فکر کا شاہکار ہے۔ تاریخ عالم پہ نگاہ' مذاہبِ عالم پہ نگاہ' سارے فلسفے کے اوپر نگاہ' الٰہیات کے اوپر نگاہ' سوشیالوجی کے اوپر نگاہ' تمدن کے اوپر نگاہ' نظام کے اوپر نگاہ' سب سے بڑی یہ چیز کہ قرآن کی گہرائیوں کے اوپر بڑی نگاہ۔ اگر کہیں یہ چیز نصاب کی اس انداز سے سامنے آئے پھر آپ دیکھئے گا کہ انہی نوجوانوں کی ذہنیت کیسے بنتی ہے اور کیا بنتی ہے۔ یہ جو چیز ہے کہ کوئی دوسری قوم آئے گی۔ بڑا حسین انداز ہے۔ اقبال کے الفاظ ہیں وہ اس انداز سے بات شروع کرتا ہے کہ یہ نظام آیا تو ملوکیت بھی گئی اور یہ پاپائیت بھی گئی اور سرمایہ داری بھی گئی یہ سب چیزیں انہوں نے اُڑا دیں۔ میرے دل کے اندر جو بات چھپی ہوئی ہے آج میں اسے بے نقاب کہہ دینا چاہتا ہوں۔ الفاظ نہیں مل رہے یہ کہنے کے لیے کہ میں کیا کہوں کہ یہ قرآن ہے کیا' یہ کتاب تو نہیں کچھ اور ہی ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب جان کے اندر کسی کے یہ اتر جاتی ہے تو جان بدل جاتی ہے اور جب جان بدل جاتی ہے تو دنیا بدل جاتی ہے''۔

(بحوالہ دروس القرآن سورۃ المائدہ آیات 51 تا 56)

منگوانے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام 25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان
فون: 042-35714546 idarati@gmail.com



قیمت فی کتاب: 500 روپے علاوہ ڈاک خرچ

کتاب آرڈر کرنے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں: 0318-2221851

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.79
ISSUE
01

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/idaratolueislam1/ www.youtube.com/idaratolueislam

قرآن کی موافقت میں جب اور جہاں سے بھی آواز اٹھے گی اُسے ہماری تائید وتعریف حاصل ہوگی۔ اس کے خلاف جو کچھ ہوگا، ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ نہ ہماری وہ موافقت کسی ذاتی میلان ورجحان کا نتیجہ ہوگی، اور نہ مخالفت کسی شخصی عناد وانتقام کی بنا پر، اور اس کی وجہ ظاہر اور بین ہے۔ ہمارے سامنے نہ کسی ذاتی مفاد کا خیال ہے، نہ سیاسی اقتدار کا تصور۔ ہم نہ کوئی پارٹی بنانا چاہتے ہیں، نہ مذہبی گروہ بندی۔ ہم نے آج تک (اپنے ہمنوا احباب کے علاوہ) نہ کسی گوشہ سے مالی امداد لی ہے اور نہ کسی قسم کی کوئی رعایت حاصل کی ہے۔ (علامہ غلام احمد پرویز رحمہ اللہ تعالیٰ)